قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا

ماہنامہ

المرشد

لاہور

ستمبر ۱۹۹۶ء

رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ

کے بیانات کی وڈیو کیسٹس تیار ہو چکی ہیں

وڈیو کیسٹ

رمضان المبارک			کیسٹ نمبر
۲۱	۲۲		۱
۲۳	۲۴	۲۵	۲
۲۶	۲۷	۲۸	۳
۲۹	۳۰		۴
تقریب رونمائی غبار راہ لاہور			۵
اجتماع سنگر خدوم			۶

-/۲۵۰ روپے فی کیسٹ مع -/۱۰ روپے ڈاک خرچ، بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر ناظم اعلیٰ کے نام بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔

ناظم اعلیٰ اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

جلد: ۱۳ — شمارہ: ۲
ربیع الاول ۱۴۱۲ھ ستمبر ۱۹۹۱ء

ایل نمبر ۸۶۰۷

ماہنامہ

المرشد

لاہور

یکے از مطبوعات: ادارہ نقشبندیہ اویسیہ: دارالعرفان چکوال

فہرست مضامین

اداریہ ——— ۳
جہاد اور مجاہدہ ——— ۴
نیت ارادہ، عمل اور عقائد ——— ۷
اتباع نبی ——— ۲۴

بدل اشتراک

فی پرچہ دس روپے، ششماہی ۵۵ روپے
چندہ سالانہ ۱۰۰ روپے، تاحیات ۱۰۰۰ روپے

غیر ملکی

سالانہ — تاحیات
سری لنکا، بھارت، بنگلہ دیش ۳۰۰ روپے، ۲۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک ۵۵ سعودی ریال، ۲۵۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ ۱۲ سٹرلنگ پونڈ، ۶۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ و کینیڈا ۲۵ امریکن ڈالر، ۱۲۵ امریکن ڈالر

پتہ: ماہنامہ المرشد۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور ٹیلیفون لاہور ۸۴۴۹۰۹

ناشر: پروفیسر حافظ عبدالرزاق، پرنٹرز: طیب جمال، ریٹی گن روڈ لاہور

ماہنامہ **المرشد** کے :

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلےٰ
نشر و اشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (اسلامیات)

ناظمِ اعلےٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

اداریہ

"خطا کرنا" انسان کی فطرت میں شامل نہ ہوتا تو شاید انسان کے لیے کسی دین یا ضابطۂ حیات کی ضرورت پیش نہ آتی۔ انسان خطا کرتا ہے لیکن خطا کے احساس کے ساتھ ہی جونہی وہ توبہ کرتا ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے مطابق اُسے معاف کر دیتا ہے، یہ ایک مسلسل عمل ہے ایک فرد کی زندگی میں یہ عمل اُس کی موت کے ساتھ رُک جاتا ہے، خطا ہر انسان کے ساتھ ہے۔ خواہ وہ بہت بڑا ولی ہو، بہت بڑا عالم ہو، بہت بڑا لیڈر یا حکمران ہو یا کوئی معمولی سا انسان۔ جب تک دل میں احساسِ خطا زندہ ہوگا معافی کا دروازہ بند نہیں ہوگا۔ جب یہ احساس ختم ہو جائے تو اُس کے دل پر قفل پڑ جاتے ہیں۔ وہ فرد خود ہی اپنے لیے معافی کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ جب پوری قوم کے دلوں پر قفل پڑ جائیں تو پھر کوئی بھی گناہ اور جرم ہو اُس قوم کا معمول بن جاتا ہے قتل، ڈاکہ، ماں بہنوں کی عزّت لُوٹنا، کمزور کا حق مارنا، دولت اور لیڈری کے لیے کسی بھی عمل کو بُرا نہ سمجھنا، یہ سب کچھ ہماری زندگی کا معمول کیوں بن گیا ہے؟ کیونکہ بحیثیتِ قوم ہمارا "احساسِ گناہ" مر چکا ہے۔ تاریخ کے حوالے سے جس عظمت کا دعویٰ ہم رکھتے ہیں۔ اِس دَور میں وہ عظمت اللہ نے غیر مسلم اقوام کو عطا کر دی اور ہمیں اُن کا محتاج اور محکوم بنا دیا۔ اور ہم پر ایسے حکمران مقرر کیے جاتے ہیں جن کے ہم سزا کے طور پر مستحق ہیں۔ پھر شکایت کیسی؟ جب تک ہمارا "احساسِ گناہ" مُردہ رہے گا ہم ایسی ہی حالت میں رہیں گے۔ جب انسان کا احساس جاگتا ہے تو کمیونزم جیسے جابرانہ نظام کے بُت بھی لمحوں میں پاش پاش ہو جاتے ہیں۔

ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنانے، چندوں اور وظیفوں کے پیچھے اس گھناؤنے نظام کی سازش کا احساس اب تک ہمارے علمائے کرام کو نہیں ہوا۔ جس دن وہ اس سازش کو پہچان گئے اُس دن اُن میں متحد ہونے کی قوت بھی آ جائے گی۔ علماء ایک ایسی قوت ہے۔ جس کا اُن کو خود اندازہ نہیں۔ البتہ بدکار سیاسی گروہ اِس حقیقت کا پورا ادراک رکھتے ہیں۔ اِسی لیے ہر مخالف گروہ نے علماء کی طاقت کو KING BREAKER کے طور پر استعمال کیا۔ اِس آخری الیکشن میں تو ہوشیار سیاستدان علماء کے کندھوں پر بیٹھ کر تختِ نشین ہوئے۔ جس دن بھی علماء کو اپنی طاقت، اپنی قوّت کا احساس ہو گیا اور متحد ہو کر اُس قوت کو استعمال کرنے کا فن آ گیا۔ اُس دن وہ خود ہی یہ نظارہ دیکھ لیں گے کہ اس ملک کی مضبوط ترین پارٹیاں اور پُرشکوہ سیاسی شخصیات اُن کی قوت کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ جائیں گے۔

کاش! کہ ہمارے علمائے کرام اپنی بکھری ہوئی قوت کو وڈھیروں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی تخت نشینی کے لیے استعمال کرنے کی بجائے اِس قوت کو یکجا کر کے، ناقابلِ تسخیر بنا کر اسلام کی فتح اور رضائے الٰہی کے لیے استعمال کریں۔

کاش! کہ ہمارے علمائے کرام وظیفہ خوار رہنے کی بجائے وظیفہ نواز بن سکیں۔ اور قوم کی نجات، سرخروئی اور سربلندی کا سبب بن سکیں۔

تاج رحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ

جہاد اور مجاہدہ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق علوی للحسنات منزل چکوال

زندگی نام ہے حرکت کا۔ اور بامقصد زندگی کے لیے یہی حرکت کوشش ناتمام کی صورت اختیار کرلیتی ہے اور جب زندگی کا نصب العین کوئی اعلیٰ اور ارفع ہو تو اس کے لیے جہدِ مسلسل درکار ہوتی ہے۔ اور بلند ترین نصب العین وہی ہے جو انسان کا مقصد تخلیق ہے۔ یعنی نیابت الٰہی۔ کیونکہ خالق نے انسان کی تخلیق کا یہی مقصد بتایا تھا کہ انی جاعلٌ فی الارض خلیفہ

ہر کام کے لیے راہ میں رکاٹیں ضرور آتی ہیں نصب العین جتنا بلند ہو اس کے حصول کے لیے رکاوٹیں بھی اتنی ہی شدید ہوتی ہیں۔ اور مقابلہ کے لیے دشمن بھی اسی درجے کے ہوتے ہیں۔ انسان کو جب اللہ کریم نے خلافت سونپی اور کرۂ ارض پر بھیجا تو اس کے ساتھ اس کا شدید ترین دشمن بھی یہاں بھیج دیا جس نے روز اول ہی چیلنج کیا تھا کہ میں آدم کی اولاد سے انتقام لے کے رہوں گا۔ اور اس کو اپنی فنی مہارت پر اتنا ناز تھا یا آدم کی کمزوری کا اس درجہ یقین تھا کہ اللہ کریم کو مخاطب کر کہہ دیا ولا تجد اکثرھم شاکرین جس کا مفہوم آج کی سیاسی زبان میں یہ ہے کہ ووٹ میرے ہی زیادہ ہوں گے اور انسانوں کی اکثریت میرا ہی ساتھ دیگی۔ اور واقعی اس نے جو کہا وہ کرکے دکھا دیا۔ اور اس جنگ میں اس نے ایسی ایسی تدبیریں ایجاد کیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ سچ کہا اکبر نے

شیطان کو ہے سوجھتی ہر دم نئی نئی
گو ہے سیاہ کار پر روشن دماغ ہے

اللہ کریم نے بھی آدم کو دشمن کی نشاندھی کرتے ہوئے پوری طرح مستعد رہنے کی ہدایت فرمائی اور ضمانت دی کہ اگر تمہاری اولاد نے میرا کہا مانا تو دشمن کی کوئی چال کارگر ثابت نہ ہوگی ہاں اس لیے کوشش کرنا ہوگی کہ نصب العین ہاتھ سے نہ جانے پائے اور باطل کی ہر قوت کا مقابلہ جاری رہے یہ جدوجہد اللہ کی نگاہ میں اتنی قیمتی ہے کہ اللہ نے اس کا نام جہاد فی سبیل اللہ یا جہاد فی اللہ رکھ دیا اور ایسے لوگوں کی عزت

انزائی فرماتے ہوئے اس کے طور پر دو الفاظوں کا اعلان کر دیا ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَائِزُوْنَ،

غور سے دیکھا جائے کہ ایمان کے بعد اصل کرنے کا کام ایک ہی ہے اور وہ ہے جہاد بالمال و بالنفس۔ کیونکہ ہجرت بھی دراصل جہاد ہی کی ایک صورت ہے یعنی جس وطن میں اللہ کا بندہ بن کر رہنا ممکن نہ رہے اس وطن کو چھوڑنا بھی اسی راستے میں ایک جدوجہد کی صورت ہے۔

اللہ کے آخری نبی۔ محسن کائنات۔ محمد رسول اللہؐ نے جونہی اس نصب العین کی طرف بڑھنے کے لیے قدم اٹھایا۔ باطل پیچھے جھاڑ کے پیچھے پڑ گیا۔ اور جو جو آپ کے ساتھ شامل ہوتے رہے انہیں ہر طرح کی اذیتیں دے کر اس نصب العین سے منہ موڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی اور یہ سلسلہ حضورؐ کی مکی زندگی میں تیرہ برس تک رہا۔

اس دور میں جہاد شروع ہوا اور اس کی صورت صرف ایک تھی وہ تھی صبر۔ اور یہ وہ وصف ہے جس کی جڑیں انسان کے قلب میں ہوتی ہیں۔ اعضاء و جوارح سے صرف اس کا مظاہرہ ہوتا ہے یہ وصف قلب کا ہے۔ یعنی جہاد کی ابتدا قلب سے ہوتی ہے۔

اس دور کے واقعات تو بیشمار ہیں مگر آل یاسر کے ساتھ جو ظلم و ستم ہوا وہ بڑا ہی صبر آزما منظر تھا حتی کہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی عورت اسی حضرت یاسر کی بیوی سمیہ تھی۔ ان کو جو اذیت پہنچائی جاتی تھی اس کا منظر دیکھ کر نبی رحمتؐ نے یہی ہتھیار استعمال کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا!

اِصْبِرُوْا یَا آلِ یَاسِر۔ یعنی اے یاسر کے کنبہ کے لوگو! صبر کرو۔ یعنی اس دور میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے واحد اسلحہ اور ساری قوت صرف صبر کا وصف پیدا کرنا ہی تھا اور اسی اسلحہ سے باطل کا مقابلہ کرنا تھا اور بس۔

جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دوسرا ہتھیار ہجرت تھا چنانچہ اہل ایمان کو یہ سکھایا گیا کہ جب وطن کی حدود میں اس نصب العین کی طرف بڑھنا ناممکن بن جائے تو وطن کو چھوڑ دو۔ چنانچہ مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو منتقل ہونا پڑا۔ اور ایمان والوں کو اس نئے ماحول میں سکھ کا سانس لینا نصیب ہوا۔ مگر کفر و شرک کو یہ منظر ایک آنکھ نہ بھایا۔ چنانچہ انہوں نے اہل ایمان پر یلغار شروع کر دی۔ بدر کے میدان میں جہاد کی تیسری صورت سامنے آئی جسے جنگ کہا جاتا ہے کہ اللہ نے اس کا نام قتال فی سبیل اللہ رکھا۔ اس دور میں جنگ میں کامیابی کے لیے یہ اسباب ضروری خیال کئے جاتے تھے۔

۱۔ افرادی قوت۔
۲۔ اسلحہ۔
۳۔ جنگی چالیں اور جسمانی تربیت۔
۴۔ مورال۔

اس وقت مستقل فوج رکھنے کی تو کہیں کوئی صورت نہیں تھی کہ باقاعدہ ٹریننگ دی جاتی۔ البتہ افرادی قوت اور اسلحہ پر توجہ مرتکز رہی مگر بدر کے میدان میں افرادی قوت کا یہ حال تھا کہ ان کی تعداد ۳۱۳ تھی اور مشرکین مکہ ایک ہزار تھے۔ اسلحہ کا یہ عالم تھا کہ چند تلواریں ۱۲ گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے سواری کے جانور بھی اسلحہ ہی تصور ہوتے تھے۔ تو گویا اہل ایمان کے پاس صرف ایک چیز تھی یعنی مورال مگر اس کا مفہوم ان کے ہاں صرف اعتماد علی اللہ تھا۔ اور تاریخ شاہد ہے کہ ان کو اس میدان میں جو فتح ہوئی تو وہ صرف اسی ایک ہتھیار سے۔ اسی مورال یا اعتماد علی اللہ کے نتیجہ میں اللہ نے انہیں

ایک بشارت دی کہ" اگر ۲۰ نفر صبر کرنے والے ہو گئے تو دو سو مشرکوں پر غالب آجاؤ گے اور اگر تم ایک سو ہو گئے تو اللہ کی مدد سے ایک ہزار کافروں پر غالب آجاؤ گے (الانفال)

اس موازنہ میں جب کمی آنے لگی تو یہ تناسب بھی بدل دیا گیا۔ اور بتایا کہ پھر بھی اگر تم میں صبر کا ہتھیار موجود رہے تو تمہارا ایک سو نفر کفر کے دو سو پر غالب آجائے گا۔ اور تمہارا ایک ہزار سپاہی باطل کے دو ہزار پر غالب آجائے گا۔ یعنی وہی ایک اور دس کی نسبت اب بدل کے ایک اور دو کی رہ گئی

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس اعتماد علی اللہ اور نبی رحمت ؐ کی دعوت پر یقین کا منظر اسی میدان میں سر کی آنکھوں سے دیکھنے میں آیا۔ کہ حضرت عکاشہؓ دوڑے آتے ہیں کہ یا رسول اللہ ؐ! تلوار ٹوٹ گئی ہے حضور اکرم ؐ کے پاس کھجور کی ایک خشک شاخ پڑی ہے حضور اکرم ؐ وہی اٹھا کے عکاشہؓ کو دے دیتے ہیں اور وہ لیکر دشمن کی طرف دوڑتے ہیں مگر کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے ہاتھ میں کھجور کی شاخ نہیں بلکہ ایک چمکتی ہوئی تلوار ہے۔ یہ ہے اعتماد علی اللہ کی ایک ادنیٰ جھلک۔

یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ثمرہ میں جو ۱ : ۱۰ کی صورت میں ہو یا ۱ : ۲ کی صورت بنیادی ہتھیار صبر کو ہی قرار دیا ہے اور اعتماد علی اللہ بھی قلب کا وصف ہے۔ گویا مدینہ طیبہ پہنچ کر جہاد کی ایک نئی صورت کو سامنے آئی مگر اس کی بھی وہی قلب کے دو ہتھیار صبر اور اعتماد علی اللہ کام کر رہے تھے۔

اس کے بعد اس جاری دنیا میں جو لازماً دار الاسباب ہے کفر و شرک کے خلاف مادی اسباب اختیار کرنے ایجاد کرنے اور استعمال کرنے کے لیے اسلام نے ایک مستقل حکم (Standing Order) دے دیا جو قیامت تک کیلئے ایک رہنما اصول ہے فرمایا۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔

یعنی جہاں تک تم سے ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان (کفر و شرک) کے مقابلہ کے لئے مستعد رہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں پر ہیبت بیٹھی رہے۔

اس حکم میں ہر قسم کی قوت اکٹھی کرنے تیاری کرنے اور دشمنوں پر دھاک بٹھانے کے طریقے اختیار کرنے اور ایجاد کرنے کا حکم ہے چنانچہ خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور روز بروز بڑھتا ہی چلا گیا۔ مثلاً

۱) غزوہ خندق میں حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے حضور اکرم ؐ نے خندق کھودنے کا حکم دیا۔ اور یہ عرب میں پہلی مثال تھی جو اسلحہ کا کام دے گی دشمن پر ہیبت طاری کرنے یا دھاک بٹھانے کا ایک نمونہ حضور اکرم ؐ نے فتح مکہ کے موقع پر پیش کیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

قاعدہ تھا کہ میدان جنگ میں یا جنگ کے موقعہ پر چار پانچ آدمی مل کر ایک چولھا جلاتے اور غذا تیار کرتے تھے۔ اس مہم میں مکہ کے قریب پہنچ کر رات کو حضور اکرم ؐ نے حکم دیا کہ ہر سپاہی الگ الگ چولھا جلائے چنانچہ ۱۰ ہزار کی فوج میں ۲ ہزار چولہوں کی جگہ ۱۰ ہزار چولہے جلائے گئے۔ ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر جب یہ منظر دیکھا تو عام قاعدے کیمطابق اندازہ لگایا کہ یہ کوئی ۵۰ ہزار کی فوج ہے چنانچہ اسکے حوس اڑ گئے کہ مکہ والوں کا دل گر گیا۔ اسی جنگ چال کو آج کی عسکری زبان میں Harass کرنا کہتے ہیں جسکے معنی ہیں پریشان کرنا، ناک میں دم کرنا وغیرہ

اسی آیت کی روشنی میں مستقل فوج رکھنے کا اشارہ بھی

ملتا ہے چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ کام بھی کر دکھایا۔ کسی کج فہم یا غلط اندیش کی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کے سلسلے میں حضرت عمرؓ نے یہ بدعت اختیار کی جو نبی رحمتؐ نے اپنی دس سالہ مدنی زندگی میں ہرگز استعمال نہیں کی تھی گویا حضرت حضرت عمرؓ کو فہم قرآن کے سلسلے میں درس دے رہے ہیں۔ اسی عہد میں منجنیق اور دبابہ دو نئے ہتھیاروں کا استعمال ہوا

اسی آیت میں جوانوں کی ٹریننگ اور جسمانی ورزشوں کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ اور گھوڑے پالنے کے حکم سے اشارہ پاکر حضرت امیر معاویہؓ نے جو بحری بیڑہ تیار کیا تھا وہ بھی تاریخ اسلام کا پہلا تجربہ تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کی وفات کے وقت اسلامی بحریہ میں ۱۷۰۰ جہاز موجود تھے۔

مسلمان جب علم و فن کا میدان غیروں کے حوالے کر کے سہل انگار ہو گئے تو اغیار نے نئے نئے ہتھیار ایجاد کرنا شروع کر دیئے۔ اب مسلمانوں نے اتنا ضرور کیا کہ اسے بدعت نہ سمجھا اور اغیار کے ایجاد کردہ ہتھیار خرید کر اپنی قوت میں اضافہ کرتے رہے ان ایجادات پر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو تاریخ بتاتی ہے کہ مندرجہ ذیل ہتھیار اس ترتیب سے ایجاد ہوتے رہے

Hand Granades 1382, Smoke Balls 1405,
Fire Balls 1429, Explosive Shell 1463,
Explosive Bomb 1470, Wheeled Gun 1470,
Wheel-Lock Pistol 1543, Paper Cartridges 1560,
Hot Shot 1575, Rifled Pistol 1592 etc.

جہاں تک جدید ہتھیاروں کے استعمال کا تعلق ہے ۱۴۵۳ء کا ایک واقعہ تاریخ میں محفوظ ہے کہ ۵ اپریل سے ۱۴۵۳ء کو محمد ثانی نے محاصرہ قسطنطنیہ میں جو توپ استعمال کی اس سے پہلے انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی چنانچہ ۲۹ مئی کو یورپ میں ترکی کے قدم جم گئے چنانچہ

MIJATOVICH لکھتا ہے۔

Since the creation of the world, nothing like it had been heard on the shore of the Basplorus.

(Constantive the Last Emperor of the Greeks)

Page 150

جہاں تک ہتھیاروں کے استعمال کی درجہ بندی یا صلاحیت کار کا تعلق ان کی پانچ صلاحیتیں ہیں (۱)
یعنی ہتھیار جتنا دور مار ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ مؤثر ہوگا۔

۲ Striking Power جتنے زور سے مار کرے گا اتنا ہی اسکی ضرب کاری ہوگی۔

۳ Accuracy of Aim ہدف جتنا درست ہوگا ضرب اتنی مؤثر ہوگی۔

۴ Volume of Fire کم سے کم وقت میں جتنی زیادہ تعداد میں ضربیں لگائی جائیں یا میزائل پھینکے جائیں حملہ اتنا ہی زیادہ مؤثر ہوگا۔

۵ Portability ہتھیار جتنا آسانی سے ادھر ادھر منتقل کیا جا سکے گا۔ اتنا ہی اس کا استعمال کارگر ثابت ہوگا۔

متذکرہ بالا آیت کے حکم میں ان سب چیزوں اور ان سب باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہ ماڈرن ہتھیار حضور اکرمؐ نے استعمال نہیں کئے تھے اس لئے ان کو اسلام میں لانا بدعت ہے تو ایسے آدمی کی عقل اور فہم دین پر ماتم کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس آیت کے مفہوم کو دلالۃ النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص تک پھیلایا جائے۔ تو ہر ہتھیار استعمال میں لانا ہر قسم کی جنگی مہارت پیدا کرنا گویا احکام الٰہی کی براہ راست تعمیل کی صورت ہے۔

قرآن نے جہاں اس جنگی تیاری کا حکم دیا وہ دشمنوں کی نشاندہی بھی کر دی۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۔ یعنی تم دیکھو گے کہ اہل ایمان کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی ہیں اور مشرک ہیں۔ اس آیت میں ان دو نظریات کے حامل لوگوں کے متعلق بتایا کہ یہ مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ لیکن کسی خاص گروہ Pin Point نہیں کیا۔

قرآن کریم نے کچھ ایسے گروہوں کی نشاندہی کی جن کے ساتھ دوستی کے تعلقات قائم کرنے سے منع فرمایا۔ جس میں یہ امور خود بخود آجاتے ہیں کہ ان کو رازدار نہ بنایا جائے یا ایسے محکموں میں اور ایسے مناصب پر نہ مقرر کیا جائے جن کا تعلق ملکی یا قومی رازداری سے ہے۔ کیونکہ یہ گروہ کھلے دشمن نہیں لیکن ایسے خفیہ اور دوست نما دشمن ثابت ہو سکتے ہیں جن کی دشمنی کھلے دشمنوں سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔

۱۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ ۔ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (۵ : ۱۵)

یعنی اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست مت رکھو۔ ہاں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کے ساتھ دوستی کریگا اس کا شمار انہی میں ہوگا۔

پہلی آیت میں صرف یہود اور مشرکین کو شدید ترین دشمن قرار دیا اس میں احتیاطی تدبیر کے سلسلے میں نصاریٰ پر اعتماد کرنے سے روک دیا۔

۲۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۔ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۔ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ (۳ : ۱۱۸)

یعنی اے ایمان والو! تم اپنے سوا کسی کو ہمراز اور صاحب خصوصیت مت بناؤ وہ لوگ تمہارے درمیان بگاڑ اور فساد کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے ان کا بغض ان کی زبان سے بھی ظاہر ہوتا ہے مگر جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے۔

پہلی آیت میں نصاریٰ سے محتاط رہنے کا حکم دیا۔ نصاریٰ نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ صلیبی جنگوں سے ظاہر ہے اور ماضی قریب اور حال میں جو کچھ برطانیہ امریکہ اور دوسرے مغربی ممالک کر رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

دوسری آیت میں ان منافقوں سے خبردار کیا جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر عملاً مسلمانوں کا امن و سکون یا ترقی انہیں ایک آنکھ نہیں بھاتی ان کے متعلق مزید فرمایا

۳۔ هٰاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ (۳ : ۱۱۹)

یعنی اے مسلمانو! تم ایسے سادہ ہو کہ ان (منافقوں) سے محبت رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے اور تم وہ ہو کہ ساری کی ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو (شدت غضب سے) تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔

۴۔ پھر فرمایا: اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا (۳ : ۱۲۰)

یعنی اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے اور اگر تم کوئی ناگوار حالت

پیش آتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

اپنی تاریخ پر ایک طائرانہ نظر ڈال کے ذرا پہچانو یہ کون سے گروہ ہیں جو مسلمانوں کی تباہی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور مٹھائیاں تقسیم کرتے ہیں اور مسلمانوں پر کوئی اچھا وقت آئے تو ان کے گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی ہے (بوجھو تو جانیں)

(۴) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (۶۰ : ۱)

یعنی اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو وہ تو ایسے ہیں کہ تمہارے پاس دین حق لیکر قرآن آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جہاد کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ع. اپنے ان دوست نما دشمنوں سے دامن بچا کے رکھو۔

رہا جہاد کا پہلا طریقہ یعنی قتال فی سبیل اللہ تو اس کے متعلق تاریخی ترتیب سے دیکھا جائے تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

(۱) عہد نبوی میں دشمن کی تمام جنگی قوت کے مقابلہ مسلمانوں کے پاس صرف ایک ہتھیار تھا جس کو عسکری زبان میں مورال کہتے ہیں اور اسلام کی اصطلاح میں اعتماد علی اللہ اور ایمان کامل کہتے ہیں۔

اس ہتھیار کی مؤثر کارکردگی اندازہ کرنے کے لئے سب سے پہلے اس حقیقت پر نگاہ رکھیں کہ اس دور میں سب سے زیادہ برتری افرادی قوت کی کثرت کسی کو حاصل تھی مگر عہد نبوی کی جنگوں میں اس کا تناسب ملاحظہ ہو

نام جنگ	کفار کی تعداد	مسلمانوں کی تعداد
بدر	۱۰۰۰	۳۱۳
احد	۳۰۰۰	۷۰۰
احزاب	۱۲۰۰۰	۱۵۰۰
خیبر	۲۰,۰۰۰	۱۴۰۰
موتہ	۱,۵۰,۰۰۰	۳۰۰۰

اس تناسب کو دیکھ کر کوئی ماہر جنگ کہہ سکتا ہے کہ اس دور میں دوسرے گروہ کو فتح ہونے کا تصور بھی ہو سکتا ہے مگر تاریخ شاہد ہے کہ واقعی ایسا ہو کے رہا صحابہ رسولؐ کے مورال یا اعتماد علی اللہ اور قوت ایمانی کا جو نقشہ قرآن نے پیش کیا ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ جب سارا عرب امڈ کے آگیا اور مسلمانوں کی چھوٹی سی ریاست یعنی شہر مدینہ پر چڑھائی کر دی تو اسی شہر کے رہنے والے منافقوں کا تاثر یہ تھا۔

۱۔ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا (۳۳ : ۱۲)

یعنی اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دل روگی ہیں یوں کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا وہ تو محض دھوکا تھا۔

۲۔ وَاِذْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰٓاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا (۳۳ : ۱۳)

یعنی اور جب ان میں سے بعض لوگوں نے کہا اے یثرب کے باسیو! تمہارے لئے یہاں ٹھہرنے کا کوئی موقع نہیں لہذا لوٹ چلو۔

لیکن اسی شہر مدینہ کے باسیوں میں اور اسی معاشرے میں سے اہل ایمان یعنی صحابہ نے یہی منظر دیکھ کر اس سے بالکل الٹا تاثر لیا۔ ارشاد ہے

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (۳۳ : ۲۲)

یعنی ۔ اور جب اہل ایمان نے ان لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی موقعہ ہے جس کے متعلق اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے بالکل سچ فرمایا تھا۔ اور یہ منظر دیکھ کر ان کے ایمان یقین اور اطاعت کے جذبے میں اور ترقی ہوگئی ۔

یہ ہے اسلامی مورال ۔ اور یہ ہے نبی رحمتؐ کے تربیت یافتہ ۔ صحابہ کی قوت ایمانی اور اعتماد علی اللہ کی کیفیت ۔

خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ اعتماد علی اللہ کا ہتھیار کارگر ثابت ہوتا رہا کیونکہ یہ حضرات براہ راست نبی رحمتؐ کی شاگردی اور تربیت کی سعادت سے حصہ وافر پا چکے تھے ۔

چنانچہ اس دور میں بھی یہ تناسب کچھ ایسا ہی رہا ۔ مثلاً

نام جنگ	کفار کی تعداد	مسلمانوں کی تعداد
۱۔ یمامہ	۴۰,۰۰۰	۱۵,۰۰۰
۲۔ شام	۲,۱۶,۰۰۰	۲۷,۰۰۰
۳۔ یرموک	۲,۴۰,۰۰۰	۴۰,۰۰۰
۴۔ قادسیہ	۱,۲۵,۰۰۰	۳۶,۰۰۰
۵۔ نہاوند	۱,۵۰,۰۰۰	۳۰,۰۰۰

اس اسلحہ کے ساتھ ساتھ جنگی تیاری کے دوسرے طریقے بھی اختیار کئے جاتے رہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ فوج رکھنے اور فوجی چھاونیاں بنانے کا نیا تجربہ شروع کیا ۔ جو حضور اکرمؐ کے عہد میں جنگی تدابیر کے طور پر شروع نہیں کیا گیا تھا ۔ خلیفہ چہارم کے دور میں حضور اکرمؐ کے تربیت یافتہ خال خال رہ گئے ۔ اور قاتلین عثمانؓ کی منزور اور فتنہ پرور جماعت نے حضرت علیؓ کو کوئی تعمیری کام کرنے کی مہلت نہیں دی چنانچہ ان کے عہد میں ایک انچ زمین کا اضافہ اسلامی سلطنت کی حدود میں نہ ہو سکا ۔

خلافت راشدہ کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے جنگی قوت کے اضافہ کے سلسلہ میں نئے نئے اقدام کئے جن میں ایک اہم چیز بحری بیڑہ کی تیاری ہے ۔

اس کے بعد مسلمان حکمرانوں نے اپنے اپنے دور میں نئے نئے اسلحہ سے کام لینے میں کبھی غفلت نہیں برتی ۔

جنگ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کے ساتھ اسلحہ کے ایجاد اور استعمال میں بھی اقوام عالم نے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں کمی نہیں چھوڑی اور اس طرح یکے بعد دیگرے ہمیں گن پاؤڈر ۔ سٹیم ۔ تیل اور ایٹمی دور نظر آتے ہیں ۔ ہر دور میں مسلمان حکومتوں نے اپنے عہد کی جنگی قوت کے ذرائع سے کام لینے کی کوشش کی ۔ جنگ اب ہم ایٹمی دور سے گزر رہے ہیں اس دور میں جنگ نہ تیر و تفنگ سے کیجا سکتی ہے نہ توپ اور ٹینک ہی فیصلہ کن ہتھیار ہیں نہ یہاں مورال کو زیادہ دخل ہے ۔ کیونکہ ایٹمی حملہ کے سامنے کسی کی کچھ نہیں چلتی ۔ مثلاً

ایٹم بم کا پہلا تجربہ جب ہوا تو ۱۸۰۰ فٹ کی بلندی سے ایک بم پھینکا گیا جس نے ۴ مربع میل میں زندگی کمل طور پر ختم کر کے رکھ دیا ۔ یا مثلاً پانچ اگست ۱۹۴۵ء کو ۲۹-B جہاز میں صرف ۱۱ - آدمی سوار ہوئے بیس ہزار فٹ کی بلندی سے ہیروشیما پر ایک بم پھینکا اور چند منٹوں میں عظیم پر رونق شہر کھنڈر بن گیا پھر ۹ اگست کو ناگاسا کی پر اسی طرح ایک بم پھینکا گیا اور ان دونوں کی تباہی کے ساتھ ۳ لاکھ آدمی ہمیشہ کی نیند سو گئے ۔ اور لطف یہ کہ حملہ آور فوج" کا ایک فرد بھی اس میں کام نہ آیا ۔

اس ایٹمی طاقت کا اندازہ کرتے ہوئے مغربی ممالک

اور اسلام دشمن قوتیں ہر گز گوارا نہیں کر سکتیں کہ مسلمان قوم کے پاس کسی درجے میں بھی یہ اسلحہ آنے پائے۔ مگر مسلمان حکومتیں اپنی بساط بھر اس ٹیکنالوجی کو اپنانے میں لگے ہوئے ہیں الحمد اللہ کسی ــــ کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ چونکہ حضور اکرم نے یہ اسلحہ استعمال نہیں کیا تھا اس لئے اس کا "ارتکاب" کرکے جہاد کی روح کو فنا کرنے کی اجازت نہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ کی تاکید کے سلسلے میں قرآن میں متعدد آیات ملتی ہیں مگر ایک آیت تو خاص طور پر اس معاملے میں غور وفکر کا مطالبہ کرتی ہے ارشاد ہے۔ وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ (۲۲: ۷۸)

اور اللہ کے کام میں ایسی اور اتنی جدوجہد کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کام کیا ہے جس کے لیے جدوجہد کرنی ہے اور جدوجہد کا حق کیا ہے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے وہ کام وہی ہے جو انسان کا مقصد تخلیق ہے مگر اس کام کے راستے میں مزاحمت کرنے والی طاقتیں بے شمار ہیں۔ اور ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اللہ کی بندگی اور رضا جوئی میں اور اس کی راہ پر چلنے میں رکاوٹ ڈالیں۔ اور جہاد کا مقصود یہ ہے کہ ان کی مزاحمت کو شکست دے کر آدمی صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ بن جائے

اس مجاہدے کا اولین ہدف آدمی کا نفس آمادہ اور شیطان ہے جو ہر وقت اللہ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کرتا اور زور لگاتا رہتا ہے جب تک اسے مسخر نہ کر لیا جائے کا امکان نہیں۔ اور اس بیان کی اہمیت اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک جنگ سے واپسی پر غازیوں سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قد متم خير مقدم من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر۔ یعنی جہاد اصغر سے تمہارا لوٹ کے آنا مبارک ہو اب تمہیں جہاد اکبر کی طرف بڑھنا ہے۔ عرض کیا گیا وہ جہاد اکبر یعنی سب سے بڑا جہاد کیا ہے تو فرمایا مجاهدة العبد هواه۔ یعنی نفسانی خواہشات کے خلاف مقابلہ کرتے ہوئے جدوجہد کرنا۔ جہاد اکبر ہے۔ قرآن کریم نے ان میں سے ایک بڑے دشمن کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (۳۵: ۶)

یعنی اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم اسے اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو۔

یہ دشمن سمجھنے سے کیا مراد ہے۔ سمجھنا تو ذہن اور عقل کا کام ہے تو کیا اس سمجھ لینے کے کوئی عملی تقاضے بھی ہیں یا نہیں؟ اگر کوئی تقاضا ہے تو وہ کیا ہے؟ اسی عقل سے پوچھو جس سے اسے دشمن سمجھنے کا حکم ہے۔ تو وہ عقل یہ جواب دیتی ہے کہ اس سمجھنے کا تقاضا یہ ہے کہ اس کا مقابلہ کرو اس کے خلاف جہاد کرو اس کی چالوں کا توڑ ڈھونڈو اس کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر سوچو اور کام میں لاؤ۔ مگر دشمن سے جنگ کرنے کے لیے تو حکم ہے کہ

اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم

کہ دشمن کے مقابلہ کے لیے قوت اور اسلحہ تیار کرو اور ایسی تدبیریں کرو کہ دشمن پر تمہاری ہیبت چھا جائے اور اس کا ناک میں دم کر دو تو کیا یہ آیت صرف ان دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے آداب سکھاتی ہے جو سر کی دو آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور جو ہماری جان کے دشمن ہیں اور جن کی نشاندہی اللہ کریم نے کر دی کہ یہود اور مشرکین تمہارے دشمن ہیں۔ تو وہ دشمن جو سر کی ان دو آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور دشمن ایمان ہے اور اس کی نشاندہی اللہ کریم نے تاکید کے

ساتھ کر دی کیا اس کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت جمع کرنا اور نئی نئی تدبیریں سوچنا اور کام میں لانا اس آیت میں دیئے ہوئے حکم کی تعمیل شمار نہیں ہوگی مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اللہ کے جس رسولؐ نے ہمیں یہ بتایا کہ یہود اور مشرکین تمہارے بدترین دشمن ہیں اسی نے ہمیں یہ بھی بتایا اور اس بات کو نہایت تاکید سے بتایا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے دوسری کئی جگہ فرمایا عدو مبین یعنی کھلم کھلا دشمن ہے اور اسی نے یہ بتایا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے قوت بھی جمع کرو اور نئی نئی تدبیریں بھی کام میں لاؤ۔

دوسری لطف کی بات یہ ہے کہ دشمنان جان کی تدبیروں اور جنگی چالوں کی تفصیل چھوڑ کوئی اشارہ بھی نہیں مگر اس دشمن ایمان کا طریقہ واردات صاف الفاظ میں بتادیا فرمایا

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس رواہ البخاری۔

یعنی حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ نبی رحمتؐ نے فرمایا کہ انسان کے قلب پر شیطان اپنی سونڈ رکھے رہتا ہے مگر جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پسپا ہو جاتا ہے اور انسان اللہ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے شیطان اپنا حملہ شروع کر دیتا ہے اور اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے ڈالتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ کے نبیؐ نے شیطان کے مورچے کی نشاندہی بھی کر دی اور اس کی جنگی چال اور اس کا طریقہ واردات بھی بتادیا۔ شیطان کے مقابلہ کے لیے یہ اسلحہ یوں لگتا ہے خود اللہ نے اپنے نبی کو بتایا جب فرمایا کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی کان کھول کے سن لو کہ شیطان کے حملوں سے گھبرایا ہوا دل صرف اور صرف اللہ کے ذکر ہی سے تسکین اور اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

شیطان کے اس حملے سے بچنے کی مہم کا اصطلاحی نام تزکیہ ہے شیطان جیسے ازلی دشمن کے خلاف جہاد جس کا [illegible] ہے اس کی اہمیت کا اندازہ صرف اس ایک آیت سے ہو سکتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ یعنی فلاح کا دارومدار تزکیہ پر ہے۔ اور تزکیہ کے لیے قلب کو شیطان کی گرفت اور اس کے حملوں سے بچانا ضروری ہے۔

اس کی اہمیت ایک اور آیت سے واضح ہوتی ہے ارشاد ہے کہ روز جزا ایسا دن ہے کہ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ۔ یعنی وہ ایسا دن ہوگا کوئی چیز اس روز فائدہ نہ دے گی سوائے اس شخص کے جو تزکیہ کے عمل سے شیطان کے حملوں سے بچا کر ایک قلب سلیم لیکر اللہ کے دربار میں حاضر ہوگا۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ شیطان کے خلاف یہ جہاد کتنی اہمیت رکھتا ہے۔ مگر افسوس اور حیرت کی بات ہے کہ جو لوگ پورے دین کی اقامت کے مدعی ہیں انہیں سب سے زیادہ چڑ قلب ونفس کی اصلاح اور تزکیہ سے ہے اور اس شعبے کے خصوصی خادمان دین یعنی صوفیائے کرام سے ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ جنگ جسے تزکیہ کہا جاتا ہے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کن ہتھیاروں سے لڑی گئی۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ عہد نبوی میں قتال فی سبیل اللہ کے لیے اہل ایمان کے پاس صرف ایک ہتھیار استعمال ہوتا رہا اور وہ ہے اعتماد اللہ تو شیطان کے خلاف اس جہاد میں بھی جسے تزکیہ کہتے ہیں صرف ایک ہتھیار استعمال ہوتا رہا اور وہ ہے نگاہ مصطفیٰ کا میزائل۔ کہ جس پر پڑ گئی اس کے اندر کی تمام ـــــ تباہ کر دیں اور اس کا تزکیہ ہو گیا۔ اور

تزکیہ اس درجے کا ہوا۔ کہ ان کے ظاہر اور باطن ان کے ایمان و یقین اور عمل کو اللہ کریم نے مثالی قرار دیا چنانچہ باطن کے متعلق فرمایا فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا۔ یعنی لوگ اگر ایسا ایمان لائیں جیسے اے میرے نبی کے صحابہ! تم ایمان لائے ہو تو میرے ریکارڈ میں وہ ہدایت یافتہ شمار ہوگا۔ اور ان تزکیۂ باطن کے متعلق فرمایا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی نگاہ مصطفیٰ نے تمہارے باطن کا ایسا تزکیہ کیا کہ اللہ نے ایمان کو تمہارے محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں کی زینت بنا دیا۔

پھر فرمایا کہ نگاہ مصطفیٰ نے جب تمہارے دلوں کا تزکیہ کر دیا تو ہم نے امتحان لیا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔ یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں کا امتحان لیا کہ ان میں تقویٰ کا وصف کہاں تک پیدا ہوا۔

تو نتیجہ یہ نکلا کہ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا۔ یعنی ان کا ایسا تزکیہ ہوا کہ اللہ کریم نے تقویٰ کو ان کی ذات کے ساتھ چپکا دیا اور یہی لوگ اس سے سب سے زیادہ مستحق تھے اور سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے۔

اور جہاں تک ان کے عملی پہلو کا تعلق ہے ارشاد فرمایا وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ، رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

یعنی اللہ کریم نے اپنی رضا کو صرف تین گروہوں تک محدود کر دیا۔ اول مہاجرین دوم انصار سوم قیامت تک آنے والے وہ لوگ جو مہاجرین و انصار کی پیروی تہِ دل سے کریں گے۔ ان کے علاوہ اللہ کی رضا کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ہے تزکیہ کی معراج۔

سوال یہ ہے کہ صحابہ کا تزکیہ جب نگاہ مصطفیٰ سے ہو گیا تو اللہ کریم کا یہ حکم کہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ اور اذکروا اللہ ذکرا کثیرا وغیرہ ۱۶۰ مقامات پر جو ذکر الٰہی کو تزکیہ کے سلسلے میں بیان کیا گیا اس کی حیثیت کیا ہوئی۔

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی کی دو حیثیتیں ہیں۔

ایک ہے بیمار قلب کے لئے دوا

دوسری صحت مند قلب کے لئے غذا

پہلی حیثیت اسی آیت سے ظاہر ہے کہ عدم اطمینان قلب کی بڑی بیماری ہے تو اس کا علاج ذکر الٰہی فرمایا۔ کہ اطمینان صرف ذکر الٰہی سے ہوتا ہے۔

دوسری حیثیت اس آیت سے ظاہر ہوتی کہ سورہ مزمل جو ترتیب نزول کے اعتبار سے قرآن حکیم کی دوسری صورت ہے اس میں نبی رحمتؐ کو مخاطب کر کے اللہ کریم نے فرمایا واذکر اسم ربک و تبتل الیه تبتیلا۔ تو ظاہر ہے کہ اللہ کے نبی کے قلب کے بیمار ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ تو ایک مثالی صحت مند قلب ہوتا ہے پھر ذکر کا حکم دیا تو ثابت ہوا کہ نبی کے قلب کے لیے جو مزکیٰ بھی ہے ذکر الٰہی غذا کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیقۂ کائنات فرماتی ہیں کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ۔ یعنی نبی رحمتؐ زندگی کے ہر لمحے اللہ کو یاد کرتے تھے۔

جب نگاہ مصطفیٰ سے صحابہ کے قلوب کا تزکیہ ہو گیا تو ذکر الٰہی ان کے قلب کی غذا بن گیا اور وہ ذکر کثیر کے چلتے پھرتے نمونے بن گئے۔

نگاہ مصطفوی سے جس درجے کا تزکیہ ہوا اس سلسلے

میں حضرت عمرؓ کے متعلق نبی رحمتؐ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے کہ جب وہ کسی راستے سے گزرتا ہے شیطان کو ادھر سے گزرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ کہاں یہ بات کہ شیطان قلب آدم پر اپنی سونڈ رکھے بیٹھا رہتا ہے جب انسان ذکر الٰہی کرے تو شیطان یہ مورچہ چھوڑ دیتا ہے اور کہاں یہ بات کہ جس راستے سے عمر گزرے شیطان کو ادھر سے گزرنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ تو عمرؓ کو یہ مقام ریاضت یا جدوجہد سے حاصل ہوا یہ تو بس نگاہ مصطفیٰ ہی کا کرشمہ تھا۔

آج کا کج بحث ذہن یہاں یہ سوال کرتا ہے کہ پھر یہ مقام سب صحابہؓ کو کیوں نہ حاصل ہو گیا اس کا جواب ادبی زبان میں تو یہ ہے کہ ع

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

مگر آج زمانہ سائنس کا ہے تو سائنس نے بھی یہ عقدہ حل کر دکھایا ہے۔ دیکھئے مین سے ۲۲۰ وولٹ کی کرنٹ آ رہی ایک کمرے میں ۵ واٹ کا بلب لگا ہوا دوسرے میں ۵۰۰ واٹ کا اور تجربہ شاہد ہے کہ دونوں کمروں میں روشنی میں وہی تفاوت ہے جو ۵ اور ۵۰۰ میں ہے حالانکہ مین سے کرنٹ تو ایک ہی طاقت کی آ رہی ہے ظاہر ہے کہ ۵ واٹ کے بلب اتنی ہی روشنی جذب کرنے کی صلاحیت جتنی وہ دے رہا ہے اور ۵۰۰ واٹ کے بلب سے اتنی تیز روشنی اس لئے مل رہی ہے کہ اس میں روشنی جذب کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے۔ تو اس سے یہ حقیقت بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ حضرت عمرؓ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا۔

ان کے علاوہ اور صحابہ کے بیسیوں واقعات موجود ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ کہنا کہ حضور اکرمؐ کی موجودگی میں ہم جب کھانا کھاتے تھے تو ہر لقمہ سے تسبیح کی آواز سنتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کا یہ کہنا کہ ہم جنت اور دوزخ کو صاف صاف دیکھ رہے ہوتے تھے یہ سب تزکیہ کے مظاہر ہیں مگر اس کے باوجود ذکر الٰہی ان کی غذا تھی۔

صحابہ کرام کے ذکر الٰہی کے شوق کے شواہد ذخیرہ حدیث میں جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ مثلاً جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی رحمت حضرت عائشہ کے حجرہ میں تھے۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

یعنی اے میرے نبی! تو اپنے آپ کو ان کی مجلس میں روک کے رکھ جو صبح شام یعنی علی الدوام ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں اور وہ محض اللہ کی رضا کی خاطر ہوتا ہے۔

تو حضور اکرمؐ اٹھ کر مسجد نبوی میں آئے دیکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت ذکر الٰہی میں مصروف ہے تو آپ کی زبان مبارک سے نکلا اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ان لوگوں کی مجلس میں اپنے آپ کو روک کے رکھنے کا حکم دیا اس نے مجھے وہ لوگ بھی عطا کر دیئے۔ اس قسم کے اور سینکڑوں واقعات صحابہ کی زندگی کا حصہ ہیں۔

صحابہ کا طریقہ ذکر

حدیث کے ذخیرہ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے صحابہ ذکر لسانی کرتے تھے۔ اور حضور اکرمؐ سے پوچھا کرتے تھے اور حضور اکرمؐ مختلف صحابہ کو مختلف کلمات پڑھنے کیلئے فرماتے تھے مثلاً

(۱) ایک ہے افضل الذکر۔ لا الٰہ الا اللہ۔

(۲) سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر۔

(۳) سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضاء نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ۔

(۴) لا الٰہ الا اللہ وحدہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔

(۵) اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منك الجد ۔

(۶) اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک و حسن عبادتك ۔

امام نووی نے ریاض الصالحین میں ایسی کچھ حدیثیں جمع کر دی ہیں۔

چونکہ صحابہ کے قلوب کا تزکیہ ہو چکا تھا اس لئے ان محض یہ الفاظ زبان سے پڑھنا ایسا نہیں تھا کہ بیجان الفاظ زبان سے نکلے اور ہوا میں تحلیل ہو گئے بلکہ وہ زندہ حقیقت بن کر ان کے قلوب کی غذا بنتے تھے ۔

یہاں ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ آج کا مادہ پرست ذہن یہ سوال کر سکتا ہے بلکہ کرتا ہے کہ نگاہ سے قلب کا تزکیہ کیسے ہو گیا۔ تو اس سوال کے جواب کے لیے سائنس کی خدمات حاضر ہیں ۔

فزکس کے مضمون میں ایک باب ہے Magnetism اور اس میں یہ بحث کی گئی ہے کہ لوہے کے عام ٹکڑے کو مقناطیس کیسے بنایا جاتا ہے تو اس میں چار طریقے درج ہیں ۔

(۱) برقی رو اس سے گزار دو ایک سیکنڈ میں مقناطیس بن جائے گا۔

(۲) اگر یہ میسر نہ ہو تو اس لوہے کے ٹکڑے کو مقناطیس کے ٹکڑے سے رگڑے جیسے Single Touch System کہتے ہیں۔

(۳) مقناطیس کے دو ٹکڑے لیکر مخالف سمت میں اس ٹکڑے کو رگڑو جسے Double Touch System کہتے ہیں ۔

(۴) Induction یعنی لوہے کا ٹکڑا مقناطیس کے ٹکڑے کے پاس رکھ دو۔ پڑے پڑے کچھ عرصہ بعد مقناطیس بن جائے گا۔

تو جس طرح برقی رو لوہے کے ٹکڑے میں یہ تبدیلی پیدا کر دیتی ہے کہ یہ ٹکڑا اس قابل ہو گیا کہ لوہے کے دوسرے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے بس اسی طرح نگاہ مصطفوی نے صحابہ کے قلوب میں مقناطیسی قوت پیدا کر دی ہے ۔

درفشانی نے تیری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

خلافت راشدہ کے دور میں عہد بہ عہد بُعد زمانی کے تناسب سے یہ کیفیت موجود رہی۔ مگر جب صحابہ دنیا سے اٹھ گئے تو وہ مزکّی قلوب ناپید ہونے لگے۔ اور آفتاب نبوت کی وہ برقی رو موجود نہیں تھی مٹے قلوب کا تزکیہ ہوتا چلا جاتا۔ اس لئے معاشرے میں تزکیہ کی کمی محسوس ہونے لگی۔

سب سے پہلے جس ہستی کو اس کمی کا احساس ہوا وہ امام حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ ہیں۔ آپ دور نبوی میں بالکل معصوم بچے تھے۔ مگر جب سیانے ہوئے تو ماحول کو آنکھیں کھول دیکھنا شروع۔ خلیفہ چہارم کے عہد میں ان کو اس کمی کا احساس شدت سے ہوا۔ اور انہوں نے سوچا کہ تزکیہ کی کوئی تدبیر کرنی چاہیئے ان کے اس احساس اور اس کے علاج کی جھلک طبقات الکبری علامہ شعرانی سے نظر آتی ہے۔ چنانچہ چند ملفوظات ملتے ہیں۔

(۱) اسلام یہ ہے کہ تو اپنے قلب کو اللہ کے سپرد کر دے
(۲) معرفتیں اٹھ گئیں۔ برائیاں رہ گئیں۔
(۳) ذکر کی مجلسوں میں جایا کرو۔

ذکر الٰہی بطور غذائے قلب کے مناظر تو آپ خلافت راشدہ کی ابتدا سے دیکھتے آرہے تھے۔ لیکن ذکر الٰہی بطور دوا کے استعمال کا آغاز انہوں نے ہی کیا۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے انکو وجدانی طور پر محسوس ہوا یا علمی طور پر الا بذکر اللہ تطمئن القلوب سے اشارہ پایا بالکل وہی طریقہ اختیار کیا۔ جو مقناطیس بنانے

کے لئے برقی رو کی عدم موجودگی میں اختیار کیا جاتا ہے۔ اس عظیم سائنسدان نے بھی سنگل پچ سسٹم اور ڈبل پچ سسٹم کی طرح ذکر لسانی جہری، یک ضربی، دو ضربی، سہ ضربی کی بنیاد رکھ دی۔

ذکر لسانی جہری

زبان اور دل کے تعلق کو ظاہر کرنے کیلئے اہل دل کہتے ہیں کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

یہ تو ہمارے اس دور کی بدنصیبی ہے کہ زبان اور دل میں کوئی تعلق ہی باقی نہیں رہا۔ یہ ایکٹنگ یہ اداکاری ایسی مصیبت ہے کہ انسان کی اپنی شخصیت کی نفی ہو جاتی ہے وہ پل میں کچھ ہے پل میں کچھ اور اس کی پذیرائی اتنی ہوئی کہ بھانڈ (۷۱،۴) بن گئے اور انہیں صدارتی ایوارڈ ملنے لگے۔ اور یہ جنون اتنا بڑھا کہ یوسف خان کو دلیپ کمار بننے پر شرم محسوس ہونے کی جگہ فخر کا احساس ہونے لگا۔

بہر حال انسان ہو تو زبان، دل کی ترجمان ہوتی ہے اسی طرح زبان سے نکلے ہوئے کلمات دل کو متاثر بھی کرتے ہیں اس نفسیاتی حقیقت کے پیش نظر حضرت امام حسن بصریؒ سے یہ ذکر لسانی جہری کی ابتدا ہوتی ہے فن تزکیہ کے چاروں سلسلے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندی کو جب ان کے شجروں یعنی استاد اور شاگرد کی ترتیب کو دیکھیں تو چاروں میں یہ تین اساتذ آتے ہیں یعنی داؤد طائی سنہ ۱۶۷ھ حبیب عجمی غالب سنہ ۱۴۰ھ اور امام حسن بصری سنہ ۱۱۰ھ گویا ذکر الٰہی بطور دوا سے تزکیہ کی ابتدا امام حسن بصری سے ہوئی اور چاروں سلسلوں میں بعد میں تحقیق اور تجربہ سے ذکر الٰہی کی صورتیں نئی نئی پیدا ہوتی رہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ یہ تینوں بزرگ مفسر، محدث اور فقیہ تھے اور جانتے تھے واعدوا لھم ما استطعتم کے تقاضے کیا ہیں اور شیطان جیسے عدو مبین سے جنگ کرنے کے لئے کونسا اسلحہ اور کس طریقے سے استعمال کرنا چاہیئے۔

امام حسن بصری کے علمی پایہ کا کچھ اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب قرآن کی ہر تفسیر میں جا بجا قال حسن بصری کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ ان کے شاگرد خاص حبیب عجمی عالم ربانی ہونے کے ساتھ ایسے صاحب نظر تھے۔ کہ عطار نے تذکرۃ الاولیا میں لکھا ہے کہ جب حسن بصری دعا کرتے حبیب عجمی دامن پھیلا دیتے کہ میں اس کی قبولیت دیکھ رہا ہوں۔

ان کے شاگرد داؤد طائی تمام علوم میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ فقہ میں تو انہیں درجہ تخصص حاصل تھا۔ ۲۰ برس امام ابو حنیفہ کی شاگردی کی۔

شیطان کے خلاف جنگ کرنے والے یہ جرنیل اپنی تمام ریسرچ اور تمام ایجادات کی بنیاد قرآن و سنت کو بناتے اور سارا اسلحہ یہیں سے لیتے۔

ذکر لسانی بالجہر میں دو پہلو پیش نظر تھے اول یہ کہ زبان سے جو الفاظ بار بار دہراتے جائیں ان کا اثر قلب پر ہوتا ہے اس کا سراغ قرآن حکیم سے ملتا ہے مثلاً

(۱) جب صحابہؓ نے غزوہ احزاب میں دیکھا کہ سارا عرب امڈ کے آگیا ہے تو انہوں نے کہا ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ وصدق اللہ ورسولہ۔ تو اس کے کہنے کا اثر ان کے قلوب پر براہ راست پڑا جس کی اطلاع اللہ کریم نے دی کہ وما زادھم الا ایمانا وتسلیما۔ ایمان کا مقام قلب ہے تو یہ کہنے کا اثر ان کے قلوب پر یہ پڑا کہ ایمان میں اضافہ ہوگیا۔

(۲) وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون براہ راست ان کے قلوب پر اثر انداز ہوتا ہے اور مصیبت۔ مصیبت نہیں رہتی

پھر زبان سے الفاظ کا تکرار کرنے سے حافظہ متاثر ہوتا ہے جو ذہن اور دماغ کا کام ہے۔ اس لئے دل اور دماغ دونوں کو شیطان کے حملوں سے بچانے کے لیے ذکر لسانی شروع کرایا گیا۔ دوسرا پہلو بالجہر کا ہے۔ اس کے ہر دو مقاصد ہیں۔ اول یہ کہ انسانی نفسیات کا سوال ہے وہ یوں کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی (Memory by Ears) ہوتی ہے یعنی ان کے کانوں میں کوئی آواز نہ پڑے انہیں کچھ یاد نہیں ہوتا ذکر بالجہر کرانے کا ایک مقصد یہ ہوا کہ اس کا جو رخ دماغ کی طرف ہے اس کی کارکردگی بارآور ہو۔

اس کا دوسرا مقصد عسکری ہے۔ شیطان کا حملہ قلب پر ہے زبان سے اس پر بمباری ہو رہی ہے اس میں پہلی چیز Range of Action کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ دوسری بالجہر میں Striking Power کے اصول کو مدنظر رکھا جاتا ہے پھر اس کے ساتھ Volume of fire بھی پیش نظر رہتا ہے ان باتوں کے علاوہ دشمن کو Harass کرنے کی یہ تدبیر ہے۔

ذکر لسانی بالجہر کا بھی سلیقہ ہے ورنہ کارآمد ثابت نہیں ہوگا۔ مثلاً دشمن کو Harass کرنے کے لیے جو گولے دور سے دشمن کے مورچے کے آس پاس پھینکے جائیں اگر ان میں صرف آواز ہی ہو تو دشمن سمجھ لے گا کہ یہ بس پٹاخے ہیں اور اگر وہ باقاعدہ سٹیل کے گولے ہوں اور بارود کے زور سے چلائے جائیں تو دشمن واقعی پریشان ہوگا یعنی اگر اور کچھ نہ ہو تو وہ اپنی کارروائی اطمینان سے نہیں کر سکے گا۔ تو تزکیہ کے ان جرنیلوں نے اس کا سلیقہ یہ سکھایا کہ پہلے تو Accuracy of Aim کا اہتمام کرو اسکو جنگ تزکیہ کی زبان میں یکسوئی یا کامل یکسوئی کہتے اور قرآن کی زبان میں اسکو تبتل کہتے ہیں۔ دوسرا اس میں محبت الٰہی کا جذبہ شامل ہو۔ یہی بارود بھی ہے اور سٹیل کی فولادی گولی بھی ہے۔ جو شیطان کے جگر کو پاش پاش کر دیتی ہے۔

ذکر جہر کیلئے الفاظ اور طریقہ

ہر خیال کو دل سے دور کر کے پوری یکسوئی سے بیٹھ جائے اور نفی اثبات کا ذکر کرے۔

لا الٰہ نفی ہے اور الا اللہ اثبات ہے طریقہ یہ ہے کہ لا کو پوری طاقت سے کھینچ کر لفظ الا کو داہنے بازو تک لیجا کر سر کو پیٹھ کی طرف تھوڑا سا جھکائے اور یہ خیال کرے کہ میں نے غیر سے اپنے دل کو پاک کر کے اسے پس پشت ڈال دیا پھر الا اللہ کی ضرب بہت زور سے دل پر لگائے اور یہ خیال کرے کہ میرا دل اللہ کی محبت سے لبریز ہو گیا۔

دیکھ لیجئے اس میں پوری جنگی مہارات نظر آ رہی ہے Accuracy of Aim بھی ہے۔ Striking Power بھی ہے۔ Range of Action بھی ہے غرض سب کچھ ہے جو ان جرنیلوں نے علمی اعتبار سے قرآن وسنت سے اخذ کیا اور اپنے مسلسل تجربہ سے اسے نہایت کارآمد پایا۔

یاد رہے کہ اس عمل میں کامل یکسوئی اور اللہ کی محبت کا جذبہ شامل نہ ہوا تو خواہ کتنا کرتے رہو کچھ اثر نہیں ہوگا اور اہل فن ایسا ذکر کرنے کو چھلنی میں پانی ڈالنا قرار دیتے ہیں۔

ذکر جہر نفی اثبات کے علاوہ اسم ذات کا بھی ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ (اللہُ اللہْ) پہلے اللہ کے لفظ کی "ہ" پر پیش پڑھے اور دوسری دفعہ اللہ کی "ہ" پر جزم پڑھے اور اس کی ضرب خوب زور سے قلب پر لگائے اور مسلسل بمباری کرتا رہے اس میں بھی وہ دونوں چیزیں ضروری ہیں یعنی یکسوئی کامل اور جذبہ محبت الٰہی۔

ذکر قلبی

فن تزکیہ کے سائنس دانوں نے جب اس سلسلے میں اپنی ریسرچ کو آگے بڑھایا تو واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کے

نئے نئے راز کھلتے گئے مثلاً

(۱) ذکر لسانی سے دشمن کو صرف Harass کیا جا سکتا ہے اور یہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے کہ دشمن اطمینان سے کوئی کارروائی نہ کر سکے لیکن اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنا مورچہ چھوڑ کر بھاگ جائے جبتک براہ راست دشمن پر بالمشافہ حملہ نہ کیا جائے چنانچہ ہمارے عسکری ماہرین یہ کہتے ہیں کہ ایئر فورس سے ملک فتح نہیں کئے جا سکتے فتح کے لیے انفنٹری یعنی پیدل فوج جو دشمن کے سر پر چڑھ کر اس تباہ کرے ضروری ہے۔

دوسرا یہ حقیقت بھی سامنے تھی کہ تزکیہ کا مفہوم صفائی بھی ہے اور آدمی ہاتھ دھوتا رہے تو منہ تو صاف نہیں ہو گا۔

پھر انہیں قرآن کریم سے دو جگہ پر اس کا سراغ ملا کہ تزکیہ کے لیے ذکر قلبی ضروری ہے مثلاً

(۱) وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ۔ یعنی اپنے رب کو یاد کر اپنے دل میں

(۲) وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا۔

یعنی اس کی بات بالکل نہ مان جس کے دل کو ہم نے (اسکے کرتوتوں کی وجہ سے) اپنی یاد سے غافل کر دیا۔

گویا اللہ کی یاد سے دل کا غافل ہونا ایسی نحوست ہے کہ اللہ کے بندے کو ایسے آدمی کی بات سننا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

پاس انفاس

واذکر ربک فی نفسک سے ذکر قلبی کا حکم تو صاف ظاہر ہوتا ہے مگر یہ آیت ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ۔

یعنی غافلوں میں سے مت ہونا۔

یہ غفلت کلی مشکک ہے یعنی Relative Term ہے عمر بھر کی غفلت بھی غفلت ہے اور دن بھر کی بھی بلکہ ایک لمحہ کی غفلت بھی غفلت تو آدمی غفلت سے کیسے بچے۔ اس فن کے سائنس دانوں نے اس سلسلے میں کئی تجربات کئے آخر انہوں نے ایک ایسا کام ڈھونڈ نکالا جس کے کرنے میں انسان غفلت نہیں کرتا بلکہ غفلت کر سکتا ہی نہیں اور وہ کام ہے سانس لینا اب انہوں نے دیکھا کہ اگر ذکر الٰہی کو سانس کے ساتھ Co-ordinate کر لیا جائے تو انسان غفلت سے بچ جائے گا اور ولا تکن من الغافلین کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی تو انہوں نے اس طرح ذکر کرنے کے لیے ایک اصطلاح وضع کی پاس انفاس یعنی ہر سانس کی نگرانی کرنا کہ وہ اللہ کی یاد سے غفلت میں نہ آئے نہ جائے اس طریقہ جو اکابر نے اختیار کیا اس کی تفصیل حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب ضیاء القلوب میں یوں دی ہے کہ:

پہلے آنکھیں بند کرے اور زبان تالو سے لگائے اطمینان میں پوری قوت کے ساتھ لفظ اللہ کو ناف سے کھینچ کر داہنے شانے تک پہنچائے اور ھُو کی ضرب اس طرح دل پر لگائے جس طرح بڑھئی لکڑی پر آرہ کھینچتا ہے اور برابر سانس کو زور سے جاری رکھے۔ اور خیال کرے کہ میرے قلب سے نور کے ذرات نکل رہے ہیں اور بدن میں پھیل رہے ہیں یہ ذکر قلب کو بالکل صاف اور کدورتوں سے پاک کر دیتا ہے اس لئے اصطلاح میں اس کو جاروب قلب کہتے ہیں۔

ذکر لسانی ہو یا قلبی، جہری ہو یا خفی۔ قلب کو شیطان کی گرفت سے چھڑانے اور اس کے حملوں سے بچانے کے لئے مختلف ہتھیار ہیں جو واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم کی مختلف صورتیں ہیں۔ اگر جسمانی اور سیاسی دشمنوں کی طرح شیطان کو ایمان، اور قلب کا دشمن سمجھا جائے اور نبی رحمتؐ نے جو اس کا طریقہ واردات بتایا ہے اس کا توڑ

مقابلہ کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے تو وہ ذکر الٰہی کے بغیر کوئی دوسرا ہتھیار نہیں۔ اگر کسی کو اس سے اختلاف ہو تو وہ معذور ہے کیونکہ اس کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اختلاف ہے۔ اس کا علاج کوئی نہیں۔ ترجمان حقیقت نے کیا خوب کہا ہے ؂

جہانِ دل جہانِ رنگ و بو نیست
درو پست و بلند و کاخ و کو نیست
زمین و آسمان و چار سو نیست
دریں عالم بجز اَللّٰہ ھُوْ نیست

ترجمہ: دل کی دنیا رنگ و بو کی دنیا نہیں ہے
اس میں بلندی پستی و عمارات نہیں ہیں
اس میں زمین و آسمان اور چار اطراف نہیں
اس دنیا میں اللّٰہ ھُوْ کے بغیر کچھ بھی نہیں

اور اس سے بھی خوب تر کہا ؂

نفس دارد و لیکن جاں ندارد
مسلمانے کہ بے اَللّٰہ ھُوْ زیست

ترجمہ: وہ مسلمان جو اَللّٰہ ھُوْ کے بغیر زندگی گزار رہا ہے۔ وہ صرف سانس لے رہا ہے اس میں روح نہیں ہے

ذکر لسانی اور ذکر قلبی کی مختلف صورتیں

بنیادی طور پر شیطان کے خلاف جہاد کرنے یا تزکیہ کیلئے ہمارا دو ہتھیار ہیں یعنی ذکر لسانی اور ذکر قلبی مگر جیسے ایک ہی دوا مختلف شکلوں میں استعمال کی جاتی ہے مثلاً گولیوں کی صورت میں، سفوف کیپسول اور انجیکشن وغیرہ اسی طرح ان کی مختلف صورتیں استعمال میں لائی جاتی رہی ہیں مثلاً ذکر یک ضربی، دو ضربی، سہ ضربی، چہار ضربی، ذکر حدادی، ذکر ارّہ، ذکر سلطانا نصیرا، شغل سلطانا محمودا، شغل سرمدی حبس نفی اثبات، شغل برزخ اکبر وغیرہ۔

دوسرا بڑا دشمن نفس ہے جس کی نشاندہی کرتے ہوئے قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان النفس لامارۃ بالسوء۔ یعنی نفس تو برے کاموں کا تقاضا کرتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے جو تمہیں میرے کاموں میں مبتلا کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار بھی کر دیتا ہے۔

جب اس کے خلاف جہاد کیا جائے تو زیر ہو جاتا ہے اور اپنی شکست تسلیم کر کے اپنا رویہ بدل لیتا ہے اور توامہ بن جاتا ہے یعنی جو مجاہدہ سے پہلے دشمن تھا اب خیر خواہی پر اتر آیا ہے پھر اور مجاہدہ کیا جائے تو اس درجے کا مطیع ہوتا ہے کہ برائی کا تقاضا ترک کر دیتا ہے یعنی مطمئنہ ہو جاتا ہے۔

اس دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے بھی یہی اسلحہ استعمال ہوتا ہے۔ مگر اہل فن نے اعدا الھمہ الخو کے حکم کے تحت جو ریسرچ کی ہے اس کا نشان قرآن حکیم اور حدیث نبویؐ سے ملتا ہے مثلاً

(۱) سورۃ الناس میں ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ تمہیں اپنی پناہ میں لے لے من شر الوسواس الخناس اس دشمن کے مقابلے میں جو چھپ چھپ کے حملہ کرتا ہے۔

(۲) حدیث جو شروع میں بیان کی گئی ہے کہ شیطان قلب انسانی پر سونڈ رکھے اسے ڈستا رہتا ہے جب انسان ذکر قلبی کرتا ہے تو وہ چھپ جاتا ہے۔

اب اس کا کھوج لگانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ یہ چھپتا کہاں ہے۔ اس فن کے جرنیل Recce پر نکلے تو انہیں معلوم ہوا کہ اس کے چھپنے کی پانچ جگہیں ہیں۔ جب اسے قلب سے بھگایا جاتا ہے تو وہ اپنے ایک خفیہ مورچے میں

چھپتا ہے جس کا نام روح ہے چنانچہ ذکر الٰہی کرتے وقت پہلے قلب پر ضربیں لگائی جاتی ہیں پھر روح پر پھر وہاں سے بھاگ کر وہ ایک اور جگہ چھپتا ہے جس کا نام سرّی ہے وہاں سے بھاگا تو خفی میں چھپا وہاں سے بھگایا تو اخفیٰ میں چھپا لیکن غازی ہر مورچے پر ضربیں لگاتا ہوا اس کا تعاقب کرتا رہا اس کا آخری مورچہ نفس ہے۔ اس پر کافی محنت کرنی پڑتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ میری آخری پناہ گاہ ہے چنانچہ غازی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ کسی مورچے میں پناہ نہ لے سکے۔ تزکیہ کے فن میں ان چھ مورچوں کو لطائف ستہ کہتے ہیں یعنی قلب۔ روح۔ سری۔ خفی۔ اخفی اور نفس۔ اور ذکر الٰہی کرتے وقت ان چھ مورچوں سے شیطان کو بے دخل کرنا پڑتا ہے جب تک وہ ان میں چھپا ہوتا ہے ان میں ظلمت اور تاریکی ہوتی ہے مگر جب ذکر الٰہی کی ضربوں اور میزائل سے اسکو مار بھگایا جاتا ہے تو وہ مقام اس کا مورچہ نہیں رہتا بلکہ غازی کے ستانے کے لیے ایک روشن اور پر رونق ٹھکانا بن جاتا ہے۔ اب اصطلاح میں کہتے ہیں کہ اس کے لطائف منور ہو گئے یا راسخ ہو گئے۔

اس مہم کے دوران ہوتا یہ ہے کہ ہر مورچہ سر کرنے کے بعد مجاہد کی روزمرہ زندگی میں کچھ مثبت تبدیلی آجاتی ہے اور جب یہ سارے مورچے سر کر لے یعنی لطائف ستہ روشن اور راسخ ہو جائیں تو مجاہد کی زندگی میں عظیم تبدیلی بلکہ انقلاب آجاتا ہے اس کے عقائد و نظریات اس کے اقوال و افعال۔ اس کی عادات و خصائل اس کے رویہ اور معاملات سے ظاہر ہونے لگتا ہے کہ اس شخص کا نبی رحمتؐ سے واقعی کوئی قریبی رشتہ ہے۔ اور یہی علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ اس نے اپنے دشمن کو زیر کر لیا ہے۔

ذکر الٰہی کے ان پے در پے حملوں سے جب اس ازلی دشمن کو مار بھگایا جاتا ہے تو دل کی دنیا میں ایک انقلاب آجاتا ہے۔ جب قلب پر سے اس کی حکومت اٹھ جاتی ہے تو سارے جسمانی نظام کا متاثر ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جسم انسانی میں ایک ٹکڑا ایسا ہے کہ اگر وہ سنور جائے تو سارا جسمانی نظام سنور جاتا ہے اور وہ بگڑے تو سارا نظام بگڑ جاتا ہے پھر اعلان عام کے انداز میں فرمایا الا وھی القلب یعنی کان کھول کے سن لو وہ قلب ہے قلب۔

اس لئے قلب پر سے نظام حکومت کے بدلنے سے فطری اثر تو لازماً ہوتا ہے لیکن فن تزکیہ کے ماہرین نے اس کے لیے ایک خاص تدبیر کا اہتمام بھی کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جنگ سے پہلے قلب پر شیطان کی حکومت تھی۔ اعضاء جوارح پر اسی کا حکم چلتا تھا۔ اور تمام اعضاء اس خاص روش کے خوگر ہو چکے تھے جو شیطان کو پسند ہے اب نئے نظام سے اعضاء جوارح کو روشناس کرانے اور انکو acclimatize کرنے کی ضرورت تھی چنانچہ انہوں نے اس کی تدبیر یہ سوچی۔ ذکر الٰہی کی وہ بمباری جو شیطان کے تمام مورچوں پر باطن کی دنیا میں کی جاتی رہی ہے بالکل اسی قسم کے بم میزائل جسم کے تمام اعضاء و جوارح پر بھی پھینکے جائیں۔ اس حملے کا اصطلاحی نام انہوں نے ذکر سلطان الاذکار رکھا۔ اس کا ہدف سر کی چوٹی سے پاؤں کے ناخن تک جسم کے تمام اعضاء ہوتے ہیں۔ غرض یہ ہوتی ہے کہ اندر کی تبدیلی کا اثر ان اعضاء پر اس طرح ظاہر ہو کہ ان کی ہر حرکت اور ان کے ہر عمل کا رُخ بدل جائے اور اب ان کی سمت ہو اللہ کی اطاعت، اللہ کی رضا کا حصول اور اللہ کی محبت۔ جب تک یہ تبدیلی نہ آئے یہ کہنا مشکل ہے کہ شیطان کو دل کی دنیا سے بے دخل کر دیا گیا۔

جسم کے تمام اعضاء اگر اس سمت حرکت نہ کرنے لگیں

تو سالک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ دشمن زیر نہیں ہوا بلکہ وہ کیمو فلاج کر کے اندر ہی کہیں چھپا بیٹھا ہے۔ اور ان اعضاء پر ابھی اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس لئے سالک کو کبھی اس غلط فہمی کا شکار نہ ہونا چاہیئے جب تک عملی زندگی اور روزمرّہ کے کاروبار میں یہ مثبت تبدیلی نہ آئے۔ حضرت تھانویؒ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ جب قلب میں انوار پیدا ہوتے ہیں۔ اعضاء اس کی گواہی دیتے ہیں۔

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے اس مجاہدے میں لوگ بیس بیس سال صرف کر چکے ہیں مگر ان کی عملی زندگی میں بال برابر تبدیلی نہیں ہوتی تو سطح بین لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اسلحہ ناکارہ ہے اس اسلحہ کے سکہ بند ہونے کی شہادت تو خود اللہ اور اس کے رسول نے دے رکھی ہے اس المیہ کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگ مجاہد نہیں ہوتے اداکار یا ایکٹر ہوتے ہیں اور وہ جنگ نہیں لڑتے ڈرامہ کرتے ہیں۔ ان کی اللہ ھو کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں یہ نمازی "ز" سے ہیں حالانکہ وہ نمازی "ذ" سے ہوتے ہیں۔ اور ان میں بعض ایسے فنکار ہوتے ہیں اور ایکٹنگ اس کاریگری سے کرتے ہیں کہ ان کو کمانڈر بنا دیا جاتا ہے۔ مگر ان کے معاملات کے کھوٹ پن کو دیکھ کر لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ سارا کاروبار ہی فراڈ ہے۔ ایسے بدنام کنندۂ نکونامے چند ایسے خطرناک ہوتے ہیں کہ اب تو ہر "مجاہد" سے معاملہ کرتے وقت یہ خطرہ رہتا ہے کہ کہیں یہ کمانڈر نہ ہو۔ یہ بیچارے مجاہد نہیں ہوتے بلکہ حب جاہ اور حب مال کی خاطر یہ سب بہروپ بھرتے ہیں دراصل شیطان کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔

مراقبہ

تزکیہ کے لئے شیطان کے خلاف جنگ کرنے والے جرنیل

بنیادی طور پر مفسر، محدث اور فقیہ ہوتے آئے ہیں۔ اس لئے وہ حضرات اس جنگ میں استعمال کیلئے اسلحہ کی تلاش اور ایجاد کیلئے قرآن و سنت کی طرف ہی رجوع کرتے رہے۔ ان دو ماخذوں سے۔ انہوں نے ذکر الٰہی کا ہتھیار تو حاصل کر لیا پھر اس کی کارکردگی کو حسب ضرورت بہتر بنانے کے لئے اس کی صورت میں تبدیلیاں کرتے رہے۔

قرآن حکیم میں جہاں اہل دانش کے اوصاف کا بیان ہے یا ان کی شناخت کراتے ہوئے ان کی علامتیں بیان ہوئی ہیں وہاں پہلی علامت ہے الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم۔ یعنی وہ لوگ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں ساتھ ہی دوسری علامت بتائی کہ ویتفکرون فی خلق السموت والارض یعنی وہ کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔

اس سے ان لوگوں نے اپنی ریسرچ سے یہ نتیجہ نکالا کہ جب ذکر الٰہی، تزکیہ کے لیے بہترین اسلحہ ہے اور اس کے تو ساتھ متصل تفکر کا ذکر ہے تو لازماً تزکیہ کے لیے جنگ میں اس کی حیثیت بھی اسلحہ ہی کی ہو گی۔

پھر انہوں نے ذخیرہ حدیث سے تلاش شروع کی کہ اس تفکر کی صورت کیا ہے اور اس کا سلیقہ کیا ہے۔ اس تلاش میں انہیں کہیں حدیثیں ملیں جو اس تفکر کے موضوع سے متعلق تھیں۔ چنانچہ ان حضرات نے اس پر مزید ریسرچ کر کے اپنی جنگی اصطلاح وضع کی جس کا نام مراقبہ ہے۔

(۱) عن ابن عباس قال کنت ردیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا غلام احفظ اللہ تجدہ تجاھک

یعنی ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نبی رحمتؐ کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ

بکا خیال رکھا کرو۔ اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔

اس حدیث سے مراقبہ کا سلیقہ آتا ہے۔ مراقبہ کیا ہے اپنے آپ پر ایک خاص کیفیت وارد کر کے بیٹھ جانا اور اس کے ثمرات کا انتظار کرنا۔ یوں سمجھئے جیسے Ambush لگا کے بیٹھنا ہے۔ اور یہ بھی جنگی حکمت عملی Minor Tactics کا حصہ ہے۔ اس حدیث میں مراقبہ کی ترکیب بتائی کہ احفظ اللہ کہ اللہ تعالیٰ کا خیال رکھ کے بیٹھ جا پھر اس کا ثمرہ بتایا کہ تجدہ تجاھک تو اسے اپنے سامنے پائے جس سے مراد قرب و معیت ہے تو ان حضرات سے اسی حدیث سے تین مراقبے اخذ کئے اور ان کی تفصیل قرآن حکیم کے الفاظ سے ساتھ ملائی۔ وہ یہ ہیں

(۱) مراقبۂ حدیث۔ قرآن حکیم سے اس حقیقت پر تفکر کرنے کے لئے آیت لی والٰھکم الہ واحد۔ اور جب اس تفکر سے تجدہ تجاھک کی کیفیت پیدا ہوئی تو ابتدا میں والٰھکم الہ واحد کے جواب میں قلب سے نکلا وحدہٗ۔ لیکن جب یہ کیفیت تام ہو کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا تو زبان قلب سے نکلا لاشریک لک یا اللہ

(۲) مراقبۂ معیت۔ تفکر کا ایک ثمرہ تو قرآن حکیم سے اس کے لئے مٹیریل لیا وھو معکم اینما کنتم

(۳) مراقبۂ اقربیت: تفکر کا دوسرا ثمرہ۔ اور قرآن حکیم سے الفاظ ملے ونحن اقرب الیہ من حبل الورید

ان مراقبات کو ان کی اصطلاح میں مراقبات ثلاثہ کہتے ہیں۔

(۲) عن ابن عباس قال قال ابو بکر یا رسول اللہ قد شبت قال شیبتنی ھود والواقعہ اخرجہ الترمذی۔

یعنی ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو بوڑھے ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ھود اور سورہ الواقعہ نے بوڑھا کر دیا۔

نوٹ: سورہ ھود میں گذشتہ اقوام پر جو عذاب نازل ہوئے انکا ذکر ہے اور سورۃ الواقعہ میں اہل نار اور جنت کی حالت کی تفصیل ہے۔

مراقبہ یہی تو ہے کہ کسی مضمون کی طرف تدبر تام سے متوجہ ہونا اور اس کا تصور پابندی کے ساتھ ہمیشہ جمائے رہنا۔ اسی وجہ سے خشیت الٰہی کا یہ اثر کہ جوان کو بوڑھا کر دے تو تدبر اور تفکر دائم پر موقوف ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات نے تزکیہ کی خاطر بیسیوں مراقبات کو اس جنگ میں اسلحہ کی حیثیت سے استعمال کیا۔

(۳) عن ابی ذر قلت یا رسول اللہ وما کانت صحف ابراھیم وموسیٰ قال کانت عبر کلھا عجبت لمن ایقن بالموت ثم یفرح۔ عجبت لمن ایقن بالنار کیف یضحک۔ عجبت لمن رای الدنیا و تقلبھا باھلھا ثم یطمئن الیھا عجبت لمن ایقن بالقدر ثم ینصب عجبت لمن ایقن بالحساب ثم لا یعمل اخرجہ رزین۔

یعنی: حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں کیا مضامین تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا وہ سب نصائح تھیں۔ مثلاً میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو موت کا یقین رکھتا ہو اور شاداں و فرحاں بھی ہو۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر ہنستا کیسے ہے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اہل دنیا کے ساتھ انقلابات کو دیکھتا

ہے پھر اس میں دل لگاتا ہے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے (اور حلال وحرام کی تمیز کئے بغیر مال جمع کرنے میں مبالغہ کے ساتھ) مشقت کرتا ہے۔ میں اس شخص پر تعجب کرتا ہوں جو حساب کا یقین رکھتا ہو اور نیک عمل نہ کرے۔

اس حدیث میں مراقبہ کی تعلیم ہے اور اصل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ محض امور مذکورہ پر یقین سے یہ ثمرات مرتب نہیں ہوتے بلکہ ان امور کو پیش نظر رکھ کر قصداً پورے اہتمام کے ساتھ ان پر تفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اسی تفکر کو مراقبہ کہتے ہیں۔ اس حدیث سے رہنمائی حاصل کر کے بھی ان حضرات نے بیسیوں مراقبات ایجاد کئے۔ ہم نے ایجاد کئے کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کو تزکیہ سے چڑ ہے اور ضابطہ کی کارروائی پر مطمئن بلکہ مگن ہیں وہ اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ صوفیا کی اپنی ایجادات ہیں سنت سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

حیرت ہے کہ صرف واعدوا لهم ما استطعتم کے پیش نظر مادی جنگ کیلئے ایجادات پر ان لوگوں کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ اور تیر و تلوار ہی کو بس سنت کا اتباع نہیں سمجھتے بلکہ توپ اور میزائل کی ایجادات کو اس آیت کے تحت لاتے ہیں مگر تزکیہ کا موضوع آئے تو ان کی عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ شیطان کے خلاف جنگ کیلئے ہر اس ایجاد پر اعتراض ہوتا ہے جو احادیث کی راہنمائی میں کی جائیں اور آیت مذکورہ بالا کے تقاضے پورے کرنے کی غرض سے کی جائیں

(۴) عن ابن عمر قال اخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم بمنكبي وقال كن في الدنيا كانك غريب او عابر سبيل اخرجه البخاري والترمذي وزاد وعد نفسك من اهل القبور۔

یعنی حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نبی رحمتؐ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا کہ دنیا میں تو اس طرح رہ گویا کہ تو مسافر ہے بلکہ راہ میں گزر رہا ہے۔ اور اپنے کو اہل قبور میں سے شمار کر۔

اس حدیث کے پہلے حصے سے راہنمائی حاصل کر کے ان حضرات نے کئی مراقبے اپنے اسلحہ کے ذخیرے میں شامل کئے اور دوسرے حصے سے بالخصوص مراقبہ موتوا قبل ان تموتوا۔ کو اپنے نصاب تفکر میں شامل کیا۔

تزکیہ کے لئے شیطان کے خلاف جنگ کرنے کا یہ محکمہ پہلی صدی سے شروع ہوا جب نگاہ مصطفوی سے تزکیہ حاصل کرنے والے اس دنیا سے اٹھ گئے۔ اور اس جنگ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے سیکھنے سکھانے کا یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل آج تک جاری ہے اور اس سلسلہ میں یہ قاعدہ رہا کہ ہر استاد اپنے کسی قابل شاگرد کو یہ ذمہ داری سونپ کر ہی اس دنیا سے رخصت ہوتا رہا اس عمل کو استخلاف کہتے ہیں یہ بھی حدیث سے اخذ کیا گیا ہے۔

عن جبير بن مطعم قال اتت امرأة النبي صلى الله عليه وسلم فكلمته في شيئ فامرها ان ترجع قالت ان لم اجدك كانها تعني بالموت قال فان لم تجديني فاتي الى ابي بكر اخرجه الشيخان والترمذي۔

یعنی حضرت جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ ایک عورت حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی حضور اکرمؐ نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا۔ اس نے عرض کیا۔ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں؟ مراد اسکی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے نہ پائے تو ابو بکرؓ کے پاس چلی جانا۔

اس حدیث سے اشارہ پاکر مشائخ کا یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ شیخ اپنے شاگردوں میں سے کسی اہل شخص یا اشخاص کو یہ خدمت

سونپ دیتے ہیں۔ مگر کسی قوم میں جب انحطاط آتا ہے تو وہ ہمہ پہلو ہوتا ہے چنانچہ اس سلسلے میں بھی نمبردار کا بیٹا ہوتا ہے کے اصول کے تحت بس شیخ کا بیٹا ہی کافی سمجھ کر استخلاف کی خانہ پری کی جاتی ہے جو خالص رہزنی ہے۔

استخلاف کیلئے اہلیت شرط ہے اور اہلیت میں دو پہلو قابل توجہ ہیں۔ اول یہ کہ کافی حد تک اس کا تزکیہ ہو چکا ہو اور وہ اس کی عملی زندگی سے بلاتکلف ظاہر ہو۔ مثلاً اس میں تکبر ریا۔ حب جاہ۔ حب مال۔ مطلق نہ ہو دوم یہ کہ اسے دوسروں کا تزکیہ کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر پہلا وصف نہیں تو دوسرا موجود ہو ہی نہیں سکتا بقول کسی شاعر کے ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

(وہ خود بھٹکتا پھر رہا ہے دوسری کی رہنمائی کیا کرے)

اگر دو باتوں کا خیال نہ رکھا جائے تو دین سے بیوفائی اور سلسلہ سے بد دیانتی ہے۔

اس سلسلے میں اوپر والی حدیث اس کے مثبت پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ حضور اکرم نے اس عورت کو جس شخص کے پاس آنے کی تلقین فرمائی وہ اس معاشرے کا بہترین فرد تھا۔ اور اسے اللہ کریم نے اَتقٰی کا سرٹیفیکیٹ دے رکھا تھا۔ اس کے سلبی پہلو کے متعلق ایک روایت ہے۔

عن عائشۃ من خطبۃ عمر قال فیہا انا عمر ولم احرص علی امرکم ولکن المتوفی اوصی الی بذلک واللہ الہمہ ذلک ولیس اجعل امانتی الی احد لیس لہا باہل ولکن اجعلہا الی من تکون رغبتہ الی التوقیر للمسلمین۔ اولئک احق بہم من سواہما فخرجہ مالک۔

یعنی: حضرت عائشہ سے حضرت عمرؓ کے ایک خطبہ کا یہ مضمون منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں عمر ہوں اور مجھ تم پر حاکم بننے کی خواہش نہیں تھی لیکن متوفی یعنی حضرت ابوبکرؓ نے مجھ کو اس کی وصیت کی تھی۔ اور اللہ نے ان کے قلب میں اس کا القا فرمایا تھا۔ میں اس عہدہ کو ایسے شخص کے حوالے نہیں کر دوں گا جو اس کا اہل نہ ہو۔ البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت مسلمانوں کی توقیر کی طرف ہو۔ سو ایسے لوگ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مستحق ہیں۔

اس میں محض رسم کے طور پر کسی کو خلیفہ بنا دینے کا ابطال ہے اور اس عیب کی طرف واضح اشارہ ہے جو متکبر اور فرعون بے سامان اور دوسروں کو حقیر سمجھنے والا ہو اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ انسان کا مقصد تخلیق یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر کرۂ ارض پر بھیجا۔

۲۔ جو شخص اس حقیقت پر یقین رکھتا ہے اسے مومن کہتے ہیں۔

۳۔ ایمان لانے کے بعد منطقی تقاضا یہ ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

۴۔ نیابت الٰہی کا حق ادا کرنے کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اول اپنی ذات پر احکام الٰہی نافذ کر کے اس قابل بنایا جائے کہ دوسروں کو اس کی دعوت دی جا سکے۔

دوم: دوسروں پر احکام الٰہی نافذ کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

۵۔ یہ کام جتنا اہم ہے اسی نسبت سے اس راہ میں رکاوٹیں بھی شدید آتی ہیں۔

۶۔ ان رکاوٹوں کو راستے سے ہٹانے کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

۷۔ اس کیلئے Standing Order ہے وَاَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم ہمیشہ تیاری کرتے رہو اور اتنی اور ایسی

قوت پیدا کرو کہ دشمن کی کوئی چال کارگر نہ ہو سکے۔

۸۔ ایک دشمن وہ ہے جو سر کی آنکھوں سے نظر آتا ہے۔ اور اس کا صلہ مومن کی زندگی کے مادی پہلو پر ہوتا ہے۔ اس کیلئے ہر مادی تدبیر اور اسلحہ بہم پہنچانے اور ایجاد کرنے کا حکم اس آیت میں موجود ہے۔

۹۔ دوسرا دشمن وہ ہے جو سر کی آنکھوں سے نظر نہیں آتا اس لئے اس کا مقابلہ کے لئے اسلحہ بھی مومن کی عقل کی زد میں نہیں آتا۔ اس لئے اللہ کریم نے اور رسول کریم ﷺ نے اس اسلحہ کی نشاندہی کر دی کہ وہ ذکر الٰہی ہے۔

۱۰۔ اس پر یقین کرنے کے لئے اللہ و رسول پر اعتماد کی ضرورت ہے۔

۱۱۔ اس دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے جو اسلحہ اللہ و رسول نے بتا دیا اس کے استعمال کے طریقے اور صورتیں ایجاد کرنا آیت بالا میں دیئے ہوئے حکم کی حقیقی تعمیل ہے۔

۱۲۔ ایسی صورتوں کو بدعت کہنا ایسا ہی ہے جیسے توپ بم اور میزائل کو بدعت کہا جائے۔ اسے ہرگز یہ مقدس فریضہ نہ سمجھنا چاہیئے۔

اس کلام پر اس موضوع کو ختم کیا جاتا ہے غرض یہ ہے کہ تعصب سے بالاتر ہو کر احباب اس پر غور کریں اور علماء حضرات تنقید کی نگاہ سے مطالعہ فرمائیں میری سوچ یا میرے بیان میں جو غلطی دیکھیں اس کی اصلاح فرما دیں۔

معترضین کا حال یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ سے کسی نے کہا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ آج کل اعتراض بہت ہوتے ہیں۔ جواب کم ملتے ہیں فرمایا اعتراض علامت ہے جہالت کی اور جواب علامت ہے علم کی۔ آج کل دینی اعتبار سے جہالت کا دور دورہ ہے اس لئے اعتراض زیادہ ہوتے ہیں اور علم اٹھ گیا ہے اس لئے تحقیقی جواب کم ملتے ہیں۔

اور معترضین کا رویہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ؎

جی نہ چاہے تو نبوت کا بھی ارشاد غلط
من کو بھا جائے تو بھانڈوں کی خرافات بجا

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دین کا صحیح فہم اور اپنی اور اپنے حبیب کی محبت عطا فرمائے آمین۔

ضرورت رشتہ

جماعت کے نہایت قابل، عالم اور مخلص بزرگ ساتھی (برسر روزگار) کے لیے رشتہ درکار ہے۔ بزرگوار کے تمام بچے اپنا بوجھ خود اٹھاتے ہوتے ہیں۔ اور پہلی بیوی وفات پا چکی ہیں۔ لہٰذا خاتون پہ کسی قسم کی ذمہ داری نہ ہوگی۔ بی بی کا پابند صوم و صلوٰۃ ہونا ضروری ہے۔ عمر، رنگ، ذات، تعلیم شکل و صورت کی کوئی قید نہیں۔ خواہشمند خواتین جلد رابطہ قائم کریں۔ بہتر ہے کہ براہِ راست حضرت شیخ سے رابطہ کریں

دُعائے مغفرت

۱۔ صوبیدار محمد یار ملک (تلہ گنگ) کی پھوپھی صاحبہ جو رمضان المبارک میں وفات پا گئی ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

۲۔ حافظ بشیر احمد چک نمبر ۶۵ شمالی (سرگودھا) کی والدہ کی وفات پر اُن کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

۳۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ کے ساتھی حسن محمود، ظفر محمود قمر محبوب اور نزہت بتول کی والدہ کی وفات پہ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

ضرورت لیکچرارز

• عربی و اسلامیات

تعلیمی قابلیت : متعلقہ مضمون میں ایم۔اے

تنخواہ : گورنمنٹ سکیل کے مطابق

اپنے اسناد کی فوٹو کاپیاں مع دو عدد فوٹو پاسپورٹ سائز درخواست ہمراہ پرنسپل کے نام روانہ کریں۔

پرنسپل:

صفارہ کالج۔ کالج روڈ۔ اولیسیہ سوسائٹی ٹاؤن شپ لاہور

فون: ۸۳۳۹-۹

ضرورت سٹاف

صفارہ اکیڈمی دار العرفان کے لیے مندرجہ ذیل سٹاف کی ضرورت ہے۔

(۱) ٹیچر. میٹرک کلاسز کے لیے (ا) سائنس (ب) انگلش

(۲) کوالیفائڈ پی ٹی آئی

(۳) مالی (۴) خاکروب (۵) باورچی (۶) دفتری۔

تنخواہ گورنمنٹ سکیل کے مطابق۔ زیادہ تجربہ رکھنے کی صورت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔

تمام کوائف اور پاسپورٹ سائز فوٹو کے ساتھ پرنسپل صفارہ اکیڈمی دار العرفان سب آفس نور پور (چکوال) کو روانہ کیجئے۔

نیّت، اِرادہ

عمل اور عقائد

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا
نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ
مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا
كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا
اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○

جہاں تک اللہ کی رحمت کی وسعت کا تعلق ہے جس کی کوئی حد نہیں لیکن حصولِ رحمت کے لئے رحمتِ الٰہی کو پانے کی استعداد کا زمیں ہونا از حد ضروری ہے۔ مسلسل بارشیں برس رہی ہیں اللہ جل شانہٗ نے حیاتِ نو کو لوٹانے کا اہتمام کر رکھا ہے ہر طرف روئیدگی ہے سبزہ ہے لیکن سنگلاخ چٹانیں اسی سے کچھ اثر نہیں لیتیں۔ اُن پر بارش کا پانی پڑ کر بہہ جاتا ہے نہ ان میں نمی آتی ہے نہ اُن سے کوئی روئیدگی ظاہر ہوتی ہے آخر کیوں؟ جو بارش ان چٹانوں پہ برستی ہے کیا اس میں وہ قوت نہیں کہ وہ وہاں کسی شے کو نمو دے سکے؟ ایسا نہیں بلکہ چٹان بجائے خود اس استعداد سے محروم ہے جس میں نمو ہوتی ہے یہی حال انسانوں کا بھی ہے بلکہ انسانی قلوب جب سخت ہوتے ہیں تو اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً۔ انسانی دل میں جب قساوت اور سختی آتی ہے تو یہ بھی پتھر بن جاتا ہے بلکہ ربِ جلیل فرماتے ہیں پتھر سے سختی میں بڑھ جاتا ہے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

دما یتفجر منہا الانہار پتھر تو ایسے بھی ہیں جن میں نہریں پھوٹتی ہیں پھٹ جاتے ہیں شق ہو جاتے ہیں اور ان سے چشمے بہہ نکلتے ہیں وان منہا لما یشقق فیخرج منہ الماء۔ چلو نہریں نہ سہی لیکن وہ پھٹ جاتے ہیں شق ہو جاتے ہیں وان منہا لما یہبط خشیۃ اللہ ۔ پتھر بھی ایسے ہیں جو خوف خدا سے گر تو پڑتے ہیں ان میں نمو نہ سہی، پانی نہ سہی، ان میں حیات نہ سہی لیکن عظمت باری کا احساس وادراک ان میں بھی پایا جاتا ہے۔ انسانی دل جب سخت ہوتا ہے تو اس میں اس حد تک بھی ادراک پانے کی استعداد نہیں رہتی جو ان پتھروں میں ہوتی ہے۔ فرمایا:

او اشد قسوۃ ۔ یہ قساوت میں اس سے شدید ہوتا ہے اللہ کریم ہمارے قلوب کو اسی کیفیت سے اپنی پناہ میں رکھیں۔ یہ حالت کیوں ہوتی ہے اسکا بڑا واضح جواب ہے کہ دنیا میں پیدا ہونے والا ہر انسان فطری صلاحیتیں لے کر آتا ہے دنیا میں ہوش سنبھالنے کے بعد اس کا کردار اس کی سوچ اس کے نظریات اس کے دل کی تعمیر کرتے ہیں یا اسی میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔ تخریب کرتے ہیں اور اگر انسانی کردار بگڑتے بگڑتے خاص حد تک چلا جائے تو پھر دل پتھروں سے زیادہ سخت ہو جاتا ہے یعنی اس کی قساوت کا ذمہ دار جو ہے وہ ہمارے کردار پہ پڑتا ہے تو میں یہ چاہوں گا کہ ہم اپنے کردار کا جائزہ لیں اور کتاب اللہ سے یہ تلاش کریں کہ کس طرح کا کردار جو ہے وہ اللہ کی رحمت کو پانے کے لئے قلبی استعداد کو زندہ یا مزید طاقت ور کرتا ہے۔ سورہ بنی اسرائیل پندرھویں پارے میں یہ آیات مبارکہ ہیں

ان میں ایک بڑی بنیادی بات رب جلیل نے محرومی کی ارشاد فرما دی بنیادی بات جو ہوتی ہے رحمتِ الٰہی سے محروم رہنے کی وہ یہ ہے

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ۔ اگر کوئی شخص اپنے دل میں فوری فائدے دنیوی مفاد کی نیت کرتا ہے بنیادی طور پر کسی کی نیت ہی دنیا کا نفع حاصل کرنے کی ہے جیسے کاروبار کرتا ہے تو آخرت سے بے نیاز ہے وہ صرف دولت حاصل کرنا چاہتا ہے ملازمت کرتا ہے تو صرف پیسہ کمانا چاہتا ہے۔ جائز ناجائز حلال حرام یا آخرت کا خوف اس میں نہیں ہوتا اسی طرح عبادت کرتا ہے تو اس سے مراد شہرت یا بزرگی یا دنیاداری ہوتی ہے یا مجاہدہ کرتا ہے تو اس سے مراد دنیوی کمالات حاصل کرنا ہوتے ہیں اس میں آخرت کو پانا نہیں ہے اُسے کو دنیا میں خود کو شیخ کہلوانا ہے پیر کہلوانا ہے یا سلطان کہلوانا ہے بادشاہ کہلوانا ہے یا دولت جمع کرنی ہے۔ خزانے جمع کرنے ہیں تو یہ جو بنیاد ہی ہے اس کو لے کر خواہ کوئی مجاہدہ کرتا ہے خواہ کوئی اعتکاف بیٹھتا ہے خواہ وہ حج پر جاتا ہے یا وہ ہجرت کرتا ہے میدانِ جہاد میں جاتا ہے یا بڑی سے بڑی کوئی قربانی دیتا ہے اللہ کریم فرماتے ہیں اس نے جو بھی کیا دنیوی فائدے کی خاطر کیا آخرت سے بے نیاز ہو کر کیا اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ ایسا کرنے سے آخرت تباہ ہو رہی ہے یا اس میں میں جھوٹ بول رہا ہوں اللہ ناراض ہوں گے یا دوسرے کا مال لے رہا ہوں یہ میرے لئے حرام ہے یا دوسروں پر اپنے کو برتر جتانے کا مجھے حق حاصل نہیں۔ بزرگی تو اللہ کا خاصا ہے بڑائی اسے سزاوار ہے۔ بلکہ ہر قیمت پر اس کا ارادہ دنیا کو طلب کرنے کا دنیا کو پانے کا ہے تو اس کی بنیاد اس بات پر ہوتی ہے خواہ وہ زبان سے کہتا بھی رہے آخرت پر اسے یقین نہیں ہے اس نے ساری محنت سارا مجاہدہ اگر وہ عبادت میں لگاتا ہے یا مزدوری میں یا تجارت میں یا ڈاکے کرتا ہے یا رشوت لیتا ہے جو پیشہ بھی اس نے اپنایا اس نے حصول دنیا کے لیے اپنایا تو اللہ کریم فرماتے ہیں اس پر دو پابندیاں ہیں۔

عَجَّلْنَا لَهٗ مَا نَشَآءُ ۔ دنیا اسی کی کوشش کے مطابق اسے نہیں ملتی ہم دیتے ہیں دنیا ہی دیتے ہیں ہم فوری فائدہ دیتے ہیں اُسے لیکن مَا نَشَآءُ جو ہم چاہتے ہیں جو وہ چاہتا ہے وہ

نہیں. جس کے لئے اس نے محنت کی یہ یقینی نہیں کہ اُسے وہ مقام مل جائے اقتدار ویسا مل جائے شہرت ویسی مل جائے یا دولت اتنی مل جائے یا وہ آرام مل جائے یا وہ شے مل جائے جو وہ چاہتا ہے نہیں اللہ فرماتے ہیں دیتے ضرور ہیں دنیا لیکن جو ہم چاہتے ہیں اور فرمایا سب کو نہیں دیتے کوشش سب کرتے ہیں۔ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ جسے ہم چاہیں دیتے ہیں یہ بھی ضروری نہیں کہ دس آدمی آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا کیلئے محنت کر رہے ہیں تو دس کے دس کچھ نہ کچھ پالیں فرمایا یہ ضروری نہیں، ہم اپنی مرضی سے دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں۔ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ جو چاہیں دیتے ہیں اور جس کو چاہیں دیتے ہیں یعنی وہ اپنا پورا پورا مقصد بھی حاصل نہیں کر سکتا اور انجام کار یہ ہوتا ہے کہ آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا اس نے تو آخرت طلب ہی نہیں کی آخرت کو مانا ہی نہیں اس کے لئے محنت ہی نہیں کی ہوتا یہ ہے ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ۔ پھر اس کا ٹھکانہ جہنم ہوتا ہے۔ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ ذلیل اور رسوا ہو کر اس میں داخل ہو گا۔ تو ذلت یہ کہ سر محشر ساری مخلوق کے سامنے اس کا یہ بھانڈا پھوٹ جائے گا کہ وہ قوم کا خادم بنتا تھا یا وہ ملک کا خیر خواہ بنتا تھا یا وہ بہت بڑا علامہ بنتا تھا یا بہت بڑا واعظ اور مقرر بنتا تھا یا بہت بڑا شیخ اور پیر بنتا تھا تو اگر اس نے یہ بھرم دنیا میں رکھا بھی تو سر میدان حشر یہ بھانڈا پھوٹ جائے گا وہ ذلیل بھی ہو گا رسوا بھی ہو گا اور ساری زندگی کی محنت کا یوں رائیگاں چلا جانا اُسے ناکامی اور نامرادی کا دکھ الگ ہو گا۔ تو یہ ذلت و رسوائی اور نامرادی کا داغ لیکر جہنم میں چلا جائیگا اللہ کریم معاف فرمائیں گویا بنیاد یہ ہے کہ ہم یہ روزہ رکھ رہے ہیں یا ہم اعتکاف کر رہے ہیں یا ہم مراقبات کر رہے ہیں یا کہ ہم ذکر کر رہے ہیں تو اس سارے کا حاصل اللہ کی بڑائی کو پانا ہے یا اپنی ذات کی بڑائی کیلئے ہے؟ اگر نیت و ارادہ میں فتور آ گیا تو سمجھ لیں کہ بنیاد ٹیڑھی ہو گئی اس پر جتنی بھی عمارت کوئی بناتا جائے وہ کبھی کھڑی نہیں ہو سکے گی

اب دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ آدمی نے نیت تو کر لیا یا اس تک اللہ کی عظمت کے عقلی دلائل پہنچے اسے رب جلیل نے جو عقل و خرد اور فہم و شعور عطا فرمایا تھا اسے وہ کام میں لایا کوئی بھی سبب بنا لیکن اس نے اپنی نیت درست کر لی اللہ جل شانہ کے لئے خالص کر لی آخرت کی طلب میں سرگرداں ہوا اپنی ساری محنت اپنا سارا مجاہدہ اپنا سارا کام اور اقتدار و اختیار اس بات کیلئے اس نے وقف کر دیا کہ میں اپنی قوتیں اسی کام پہ صرف کروں گا جس کام میں میری آخرت سنورے میرا رب مجھ سے راضی ہو اور مجھے اللہ کا قرب نصیب ہو تو فرمایا لوگ یہ طے تو کر لیتے ہیں لیکن صرف طے کرنے کے بعد نتائج کی امید لے کر بیٹھ جاتے ہیں کرتے کچھ نہیں بڑے آرام سے کہہ دیتے ہیں جی نیت صاف اور کام اس' ہم نے نیت کر لی اور کام ہو گیا فرمایا نہیں یہ تو تم نے ایک کیا۔ نیت تو تمہاری کھری ہے نیت تو تم نے درست کر لی اب ارادہ کرو فیصلہ کرو طے کرو تمہیں کیا کرنا ہے تم شہ زور ہو تمہیں طاقت اللہ کی راہ میں صرف کرنی ہے تم عالم ہو تمہیں اپنا زور علم اس کی راہ میں صرف کرنا ہے تم مالدار ہو تمہیں اپنا زر و مال اس کی راہ میں خرچ کرنا ہے تم کس شعبۂ زندگی کی استعداد رکھتے ہو کیا کر سکتے ہو اور اُسے کس طرح سے استعمال کرنا ہے بیٹھو ایک پروگرام بناؤ ایک ضابطہ ترتیب دو اور فیصلہ کرو کہ مجھے یہ کرنا ہے۔

پھر تیسرا درجہ آ جائے گا عمل کا نیت بھی خالص ہے ارادہ بھی رکھتے ہو کرنے کا تو اٹھ کر کرو نیت اور ارادے پر اجر کی امید نہ رکھ کر بیٹھ جاؤ اٹھو پھر میدان عمل میں نکلو اور جب میدان عمل میں جاؤ گے۔

وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ کام کرو جھک مت مارو۔

وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ جس نے محنت کی جیسا محنت کرنا چاہیے۔ کام کیا ہو گا؟ ہر فن میں کام کی نوعیت اس فن کے ماہر کی رائے کے مطابق ہو گی ہم بجلی کا کام کرنا چاہتے ہیں تو جو ماہر الیکٹریشن

ہے اسکی رائے وہاں مانی جائیگی ہم عمارت بنانا چاہتے ہیں تو ماہر کاریگر جو ہے اسکی بات مانی جائیگی ہم لباس بنانا چاہتے ہیں تو کسی ماہر کاریگر کی مانی جائیگی اگر ہم آخرت کیلئے کام کرنا چاہتے ہیں تو اس فن کا جو ماہر ہے اسی کی بات پر عمل ہوگا۔ اور وہ صحیح ہوگا تو گویا نیت کھری ہے کام آخرت کے لئے کرنا چاہتا ہے تو اس کا ہر عمل جو ہے وہ تابع ہو جائے گا سنت پیامبر صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے. خطا کا ہو جانا الگ بات ہے بھول جانا نسیان کا ہو جانا الگ انسان فرشتہ نہیں بن سکتا لیکن وہ اپنی ساری طاقت اپنا سارا علم اپنا زور بازو اپنا سارا مال اپنی ساری محنت اس بات پہ لگا دے گا کہ میں کام ایسا کروں جیسا میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تو: یہاں یہ بات بڑی توجہ طلب ہے کہ ہمارے پاس آج جو دین ہے اس کا بیشتر حصہ رسومات پر مبنی ہے اور اس میں بے شمار ایسے رواجات جگہ پکڑ گئے ہیں جن کا نشان عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں ملتا. خیر القرون میں نہیں ملتا سلف صالحین میں نہیں ملتا لیکن آج چپے چپے پر ہر جگہ ایک نئی رسم ہے ۔

میں نے ایک دن عیسائیوں کے ایسٹر تہوار ٹیلی ویژن پر دیکھا چاہتا تھا کہ ان کا طریقِ عبادت بھی دیکھوں اور آج کے جو عیسائی ہیں ان کا عقیدہ ان کی زبان سے سنو ان کی کتابوں میں تو ہم دیکھتے ہیں جو آج کے ہیں ان کی زبان سے سنو انہوں نے اپنا عقیدہ وہی بیان کیا جو ان کی کتابوں میں ہے کہ وہ عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا تصور کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سب عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ عیسیٰ علیہ السلام کی پھانسی میں ہو گیا یہ انہوں نے ڈنکے کی چوٹ پر بیان کیا لیکن جو سب سے عجیب بات تھی وہ یہ تھی کہ ساز طبلے سارنگیاں اور ہارمونیم اور اس طرح کے بہت سے ساز تھے اور مرد و خواتین مل کر مدحیہ یا نعتیہ اشعار یا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے عقیدے یا اپنی عقیدت کا اظہار یا رب کریم کے بارے ان گیتوں میں کر رہے تھے بڑے زرق برق لباس پہنے ہوئے تھے جب وہ پروگرام ختم ہوا تو رمضان المبارک کی نسبت سے پروگرام شروع ہوا۔ پانچ چھ مشٹنڈے سیاہ کالے رنگ، کالی کالی ٹوپیاں، منہ میں پان دبائے ہوئے، وہی ساز وہی طبلے، وہی سارنگیاں، وہی ہارمونیم، وہی سب کچھ اب وہ بجا رہے ہیں۔ اور قوالی طرز کی کوئی چیز گا رہے ہیں جس میں اللہ کی حمد یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ہے تو اس ایسٹر میں اور اس قوالی میں کتنے گز کا فرق رہا؟ اگر وہ کرتے ہیں یہ کام تو آپ انہیں گمراہ کہتے ہیں وہی کام آپ کرتے ہیں تو آپ اسے راہِ ہدایت کہتے ہیں آپ اسے احترام رمضان کا نام دیں۔ آپ بندر نچائیں تو عبادت ہو اور دوسرا نچائے تو خرافات ہو جائے؟ بڑی عجیب بات ہے غالباً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہیں سے گزر رہے تھے اور بانسری کی آواز آرہی تھی مجھے نام صحیح یاد نہیں وہ تھے یا کوئی اور تھا بہر حال یہ کسی صحابی کا واقعہ ہے تو انہوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں تو کسی نے پوچھا حضرت وہ تو کوئی دور بانسری بجا رہا ہے یہاں تو کوئی سامنے بھی نہیں آپ اسے اسنجائے بھی نہیں کر رہے اپنے راستے جا رہے ہیں فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا میں اسی لئے نہیں کر رہا کہ مجھے یہ آواز پریشان کر رہی ہے وہ تو بہت دور ہے تھوڑی بہت آرہی ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں تھا آپ راستہ پر چل رہے تھے کوئی بانسری بجا رہا تھا آپ تک آواز پہنچی تو آپ نے گوشِ اطہر مبارک میں انگشت ہائے مبارک رکھ لی اور دونوں انگلیوں سے دونوں مبارک کان بند کر لئے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل یہ ہو اور ہم اس عمل کو عبادت سمجھیں؟ ایک ہوتا ہے وہی کام کرنا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ جو میں کر رہا ہوں یہ گناہ ہے اس میں کوئی گنجائش ہے آدمی کو احساس گناہ تو رہے گا۔ لیکن نہ اسے صرف جائز بلکہ اُسے عبادت کا درجہ دے دیا جائے اور جو بات کہے اسے بھی گردن زدنی قرار دیا جائے تو بڑی زیادتی بڑا حیف ہے اس طرح عرس منا رہے ہیں تو زیادتی، گیارہویں شریف منا رہے

ہیں تو زیادتی یادسواں منا رہے ہیں تو بھی زیادتی، کسی زندہ پیر کے لئے ڈھول بجا رہے ہیں، کبھی کسی دنیا سے گزرے ہوئے بزرگ کی قبر پر اُٹھا اُٹھ کر ناچ رہے ہیں یہ سارا دین ہے اگر یہ سارا کچھ عبادات میں ہے تو خرافات کسے کہتے ہیں؟

جس طرح ہماری ملکی یا قومی سطح پر ثقافت کے نام پر ہر کثافت جاری کر دی گئی ہے ہر برائی کو ثقافت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ یہ کیا؟ یہ ثقافتی طائفہ ہے۔ طائفوں میں بھی ثقافت ہوتی ہے! یہ تو وہی بات ہے جیسے کوئی کہے یہ بڑا خدا رسیدہ کنجر ہے طائفہ ہے تو اس میں ثقافت کیا ہوگی! طائفہ تو نام ہی کسی اوباش ٹولے کا ہے۔ اصطلاحاً لغت میں تو طائفہ کسی اوباش ٹولے کو کہتے ہیں چند اوباش اگر مل جائیں تو اسے طائفے کا نام دیا جاتا ہے پھر ثقافتی طائفہ کیسے ہو گیا ثقافت ہوگی تو طائفہ نہیں ہوگا۔ چند شرفاء ہوں گے اور طائفہ ہوگا تو وہاں ثقافت نہیں ہوگی کثافت ہوگی خرافات ہوں گی۔

یہی بات اگر ہم اپنی مذہبی زندگی میں انفرادی طور پر اپنا لیتے ہیں اور انہی رسومات اور رواجات اور بدعات اور خرافات کو دین سمجھ لیتے ہیں تو اللہ پناہ دے ساری زندگی کی محنت ضائع کرنے کے لئے ایک بدعت کافی ہے بدعت کے متعلق علمائے حق کا ارشاد یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر بدعت کسی سنت کو گرا کر اسکے کھنڈرات پر تعمیر کی جاتی ہے یعنی وہ کام کرنے کا مسنون طریقہ کوئی اور تھا تو جس کسی نے بدعت ایجاد کی اس نے وہاں سے سنت نبوی کو گرا دیا اور ان کھنڈرات پر اپنی بدعت کی بنیاد رکھ دی ایک بات اس سے بھی بڑی زیادتی اس میں یہ ہے کہ نبی جو فرماتا ہے وہ اللہ کا حکم ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے دین کے معاملے میں ایک حرف بھی زبان مبارک سے نہیں نکلتا وہی فرماتا ہے جو اللہ کا حکم ہوتا ہے تو کسی کام کو جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اور کوئی دوسرا کہتا ہے یہ ثواب ہے تو اس کا مطلب ہے وہ اپنی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد ہوتا تو پھر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ارشاد نہیں فرمایا اور وہ کہتا ہے کہ ایسا کرنا بھی ثواب ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود مدعی نبوت ہے اور تیسرا نتیجہ بدعت کا یہ ہوتا ہے علمائے حق فرماتے ہیں کہ بدعتی کو بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے اسی لئے کہ وہ اس برائی کو نیکی سمجھتا ہے نیکی سے کون توبہ کرے گا جس کام کو میں اور آپ نیکی سمجھتے ہیں اس سے کیا ہم توبہ کر لیں گے؟ توبہ کے لئے تو برائی ہوتی ہے نیکی پہ تو آدمی زیادہ محنت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ بہت کم لوگ خرافات سے واپس آتے ہیں بدعات سے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔

رب جلیل نے یہاں ایک تیسری قید یہ لگا دی۔ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا۔ اس نے پھر اس کے لئے آخرت کے لئے محنت کی، جھکھ نہیں ماری اگر میں اپنی زبان میں ترجمہ کروں اس ارشاد باری کا تو بالکل یہ ہوگا کہ اس نے محنت کی جھکھ نہیں ماری۔ محنت وہ ہوگی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو اور جھکھ وہ ہوگی جو ہم اپنی طرف سے ایجاد کریں گے۔ پھر اس پر ایک قید بڑھا دی۔

نیت بھی نیک ہے ارادہ بھی درست ہے عمل بھی سنت کے مطابق کرتا ہے لیکن عقائد وہ نہیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے۔ خدا کی ذات یا صفات یا آخرت یا برزخ عذاب و ثواب یا حساب و کتاب یا فرشتوں کا وجود لوح محفوظ یا تقدیر یا جو بنیادیں دینی عقائد کی ہیں جو بنیادی عقائد ہیں جن کو ماننا اور جیسا ماننا ضروری ہے ان میں سے کسی ایک عقیدے کو ویسا نہیں مانتا خواہ مانتا بھی ہو تو اپنی طرز فکر سے مانتا ہے فرمایا اس کی محنت بھی بیکار ہے۔ سب سے آخری اور سب سے ضروری قید یہ ہے وَهُوَ مُؤْمِنٌ۔ اس کا ایمان کھرا ہوا اللہ کو ویسا مانتا ہو جیسا محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ماننے کا حکم دیا ہے اسی کی ذات کو بھی ویسا مانے اس کی صفات کو بھی ویسا مانے آخرت کو، برزخ کو

موت وحیات کو فرشتوں کو کتاب کو نبیوں اور رسولوں کو ویسا مانتا ہو جیسا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منوایا ہے

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ یہ وہ لوگ ہیں جو موج کریں گے یہ چار باتیں جہاں موجود ہوں گی وہ شخص محنت تھوڑی کرے گا اجرت کروڑوں گنا زیادہ پائے گا كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ ان کی جو محنت ہے اس پر معاوضہ نہیں اس پر انعام دیا جائے گا شکر کا لفظ بندے کی طرف سے ہو تو حصولِ محنت پر احسان ماننے کو کہتے ہیں اور شکر کا لفظ جب اس کی نسبت ہوتی ہے ذاتِ باری کی طرف تو اس کا مفہوم یہ بن جاتا ہے کہ اجرت سے بڑھ کر انعام عطا فرمایا جائے ۔ یعنی اُجر تو اُجر میں آتا ہے لیکن جب اِنَّ اللّٰهَ كَانَ شَاكِرًا عَلِیْمًا ۔ اللہ شاکر ہے کیسے کہ وہ اُجر دے کہ اس پر بے شمار اضافہ عطا فرما دیتا ہے فرمایا كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ ان کی محنت پر اُجر تو ملے گا ہی اس پر بے پناہ انعام ملے گا اب وہ کتنا انعام دے گا یہ انعام دینے والے کی اپنی شان کے مطابق ہوگا بندے کی محنت کے مطابق نہیں انعام جب دیا جاتا ہے تو وہ منعم کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے ہم جب یہاں بلاتے ہیں کسی ضلع کی سطح کے افسر کو وہ انعام دینا چاہتا ہے یا صوبے کی سطح کا گورنر آتا ہے وہ انعام دینا چاہتا ہے ملک کا صدر آ جاتا ہے وہ انعام دینا چاہتا ہے تو بات تو انعام ہی کی ہوگی لیکن اس کی جو کیفیت و کمیت ہے اور اس کا کتنا ہو وہ بدل جائے گا افراد کی حیثیت کے مطابق تو جب رب العلمین انعام دینا چاہتے ہیں وہ ان کی اپنی ذات اور ان کی اپنی شان کے مطابق۔

اب ایک بڑی خوبصورت بات کا جواب ارشاد فرمایا کہ آدمی اپنے بائیں دائیں دیکھتا ہے ...... تو اس کا کیسے اندازہ ہو فرمایا

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ فرمایا تیرا پروردگار کائنات کا پروردگار ہے سب کا خالق ہے سب کو روزی دینا سب کو زندگی اور فرصت اور مہلت دینا دنیا کے مال و منال کی تقسیم کسی کو زیادہ کسی کو کم نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے کسی کو صحت کسی کو بیماری کسی کو تاج سلطنت کسی کو فقر و تنگ دستی یہ فرمایا اس کا اپنا نظام ہے اور یہ اس کی بخشش بٹ رہی ہے بھلے کو بھی اور برے کو بھی لیکن صرف دنیا دنیا میں۔

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ کوئی بھی اس کی بخشش کے سامنے دیوار کھڑی نہیں کر سکتا کوئی نہیں روک سکتا کیونکہ اس کا اپنا ایک نظام ہے اس نے اپنی ایک مخلوق پیدا فرمائی انہیں مہلت دی انہیں طاقت دی انہیں عقل دیا شعور دیا انہیں روزی دیتا ہے انہیں موقع دیتا ہے نیک لوگوں کو بھی دنیا کی نعمتیں دیتا ہے بدکاروں کو بھی دیتا ہے نیکوں پر بھی مصیبتیں آتی ہیں بدکاروں پر بھی آتی ہیں لیکن دنیا میں

اُنْظُرْ كَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ دیکھ تیرے سامنے ہے کیسے بعض کو بعض پر فضیلت دی بعض جگہ نیک آدمی کمزور ہیں بدکار طاقتور ہیں بعض جگہ نیک حکمران ہیں بدکار وہاں کمزور ہیں بعض جگہ بدکار ہی کمزور بھی ہیں اور بدکار ہی طاقتور بھی ہیں بعض جگہ نیک ہی مفلس بھی ہیں نیک ہی امیر بھی ہیں تو یہ کیوں ہے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لیے اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے اس نے کسی کو دیوار بنانے کا فن سکھایا اسے پیسہ نہیں دیا اور کو پیسہ دے دیا اسے فن نہیں سکھایا تو باہمی ضرورتوں کے ربط سے انسانی معاشرہ قائم ہے جب تک وہ چاہتا ہے اسے قائم رکھے گا لیکن یاد رکھو یہ وقتی اور لمحاتی بات ہے۔

وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِیْلًا ۝ فرمایا اصل موج آخرت کی ہے جو صرف ان لوگوں کو ملے گی جو مقبولانِ بارگاہ ہوں گے اس پہ مت جاؤ کہ کافر حکومت کر رہے ہے کافر کی گور کو دیکھو کافر کی آخرت کو دیکھو کافر کے انجام کو دیکھو کتنی کتنی بڑی

سلطنتیں تباہ ہوگئیں کتنی کتنی برسرِ اقتدار قومیں تاراج ہوگئیں کتنے انقلاباتِ زمانہ آئے اور کفر اور برائی کو کہیں پناہ نہ مل سکی پھر سب سے عجیب بات یہ ہے کہ دنیا فانی اس کی لذتیں فانی اس کا اقتدار فانی اس کی دولت فانی اس کی طاقتیں فانی آج یا کل ختم ہو جائیں گی بات کرو آخرت کی جو دائمی ہے ابدی ہے پھر دنیا قلیل ہے

قل متاع الدنیا قلیل۔ اللہ فرماتا ہے میرے حبیبؐ لوگوں کو بتا دو کائنات کی ساری دولت بھی ایک جگہ جمع کر دو تو یہ قلیل ہے وللاخرۃ اکبر اور آخرت اس کے مقابلے میں بہت بڑی ہے اسی سے یہ ارشاد فرمایا گیا حدیث شریف میں بھی موجود ہے کہ نجات پانے والا سب سے ادنیٰ درجے کا جو جنتی ہے اس کے رہنے بیٹھنے کی جگہ اس دنیا سے وسیع تر ہوگی کیونکہ آخرت اکبر اور یہ دنیا قلیل ہے۔ تو فرمایا اس پر مت جاؤ دیکھو کون آخرت کے لیے کیا کما رہا ہے اور اس کا معیار وہی ہے کہ وہ کتنا متبع ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ کتنا اطاعت گزار ہے ذاتِ باری کا اور کتنا اسے خلوص نصیب ہے۔ فرمایا پتے کی بات یہ ہے اتنی لمبی حقائق کے بعد اس کا نتیجہ ارشاد فرما دیا اگلی آیت میں فرمایا

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ کبھی بھی بھول کر بھی اللہ کی الوہیت میں کسی دوسرے کو داخل مت کرنا ہم تو کہتے ہیں ہم نہیں کرتے کہنا اور ہے کرنا اور ہے ایک آدمی کہتا ہے میں زہر نہیں کھاتا لیکن وہ کھا لیتا ہے تو اس کے کہنے پر نتیجہ مرتب ہوگا یا عمل پر۔ فرمایا: کہنے کو تو تم کہتے ہو لیکن اللہ کا حکم چھوڑ کر دوسرے کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی نافرمانی کرتے ہو تو اس کا مطلب ہے تم نے اس کی عبادت کی وہ تمہارا معبود ہے۔

افرءیت من اتخذ الٰہہ ھوا ۝ فرمایا دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی خواہشات کی عبادت کرنا شروع کر دیا اور ان کو اپنا معبود بنا لیا تو خواہشات کو مجسم کر کے سامنے کھڑا کر کے سجدہ تو نہیں کرتا۔ لوگ خواہشات کی تکمیل کے لیے اللہ کا حکم چھوڑ دیتے تھے اللہ نے فرمایا ان کے معبود ان کی خواہش ہے میں نہیں ہوں جس کی اطاعت کر رہے ہیں معبود وہ ہے۔ جس کی اطاعت چھوڑ دی وہ کیسا معبود ہے۔ تو فرمایا پتے کی بات یہ ہے سارا اسلام یہ ہے اسلام کی بنیاد بھی یہ ہے اسلام کی ابتدا بھی یہ ہے اور اسلام کی انتہا بھی یہ ہے کہ اس اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو جو امیدیں اللہ سے ہیں وہ کسی دوسرے سے نہ رکھو جو خوف اللہ کا ہے وہ کسی دوسرے سے محسوس نہ کرو۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ کہیں بھول کر بھی کسی دوسرے کو اللہ کے ساتھ معبود نہ بنائیں اگر ایسا کیا۔

فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ تو پھر ساری محنت بھی ضائع جائے گی رسوائی الگ ہوگی اور تباہی کا سامنا کرنے پڑے گا۔

اللہ کریم نے ہمیں یہ پر سعید ساعتیں عطا فرمائیں اس سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا چاہیئے اپنی نیت کا خلوص اپنے ارادے کا کھرا پن اور اپنے عمل کی صحت کے لیے پوری پوری کوشش کرنا چاہیئے اور عقائد بنیاد ہیں عقائد و نظریات بڑے کھرے بڑے ستھرے بڑے صاف ہونے چاہئیں رب الٰہ ہے کسی دوسرے کی ربوبیت کی امید نہ رکھی جائے معبود وہ ہے اس کا حکم چھوڑ کر دوسرے کی بات نہ مانی جائے ہاں اس کے حکم کے تابع جو اطاعت آتی ہے وہ اس کی اطاعت ہے

اللہ کریم ہمیں سمجھ بھی عطا فرمائیں توفیق عمل بھی دے

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

(دارالعرفان ۷ر اپریل ۱۹۹۱ء)

اتباعِ نبیؐ

مولانا محمد اکرم اعوان

پندرھویں پارے میں سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیات انسانی گمراہی کے ایک بہت بڑے سبب کو بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرماتی ہیں۔

نبی اور رسول علیہ السلام جب مبعوث ہوتا ہے تو اس کا مقصد جو ہوتا ہے۔ بعثت سے غرض جو وابستہ ہوتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچائے نبی اور رسول علیہ السلام صرف پیغام پہنچاتا نہیں اس پیغام کو سمجھاتا بھی ہے ایک ہوتا ہے پیغام پہنچانا جیسے ڈاک کا ہرکارہ ہمیں اپنا خط دے جاتا ہے اُسے اِس سے غرض نہیں ہوتی کہ آپ کے خط میں لکھا ہے بھیجنے والا جانے اور لکھنے والا جانے نہ نبی علیہ السلام کا سمجھانا ایسا ہوتا ہے۔ جیسے سکول کا کوئی اُستاد اپنے جملے یا کسی محاورے کی تشریح سمجھا دیتا ہے یا کسی شعر کا معنیٰ سمجھا دیتا ہے نبی علیہ السلام کے اللہ کا پیغام قبول کرنے کی ایک خاص حالت ہوتی ہے جسے نبوّت کہا جاتا ہے ایک خاص پاکیزگی ایک خاص قسم کا تزکیہ۔ ایک خاص قسم کی ملکوتیت اور وہ اتنی منزہ اتنی صاف اتنی پاکیزہ ہوتی ہے کہ نبی علیہ السلام اُس کے باعث معصوم عن الخطا ہوتا ہے مزید جب کلام باری نبی علیہ السلام وصول کرتا ہے تو اُسے جب آگے منتقل فرماتا ہے پہنچاتا ہے تو ایک وہ الفاظ آگے پہنچاتا ہے جو اللہ نے بتائے اُن کے مفاہیم آگے پہنچاتا ہے جو اللہ نے سمجھائے اُسے اور وہ کیفیت جو نبی علیہ السلام کی ذات میں پاکیزگی اور طہارت کی ہوتی ہے اس کے ساتھ وہ کیفیت جو کلام باری میں تجلیاتِ باری کی ہوتی ہے یہ دونوں مل کر اس کلام کے ساتھ منتقل ہوتی ہیں۔ اَب جو قبول کرتا ہے وہ صرف کلام قبول نہیں کرتا بلکہ اُن کیفیات سمیت قبول کرتا ہے۔ اُن کیفیات ہی سے اُن کے دِل میں نورِ ایمان کا شعلہ فروزاں ہوتا ہے لیکن اگر کسی خطا کسی گناہ کسی گمراہی کے سبب دل میں وہ کیفیات قبول کرنے کی وہ صلاحیت جو تخلیقی اور پیدائشی طور پر ہر دل میں رکھی گئی ہے وہ ضائع ہو چکی ہو تو نبی علیہ السلام کا کلام سُن کر بھی سننے والا مذاق اُڑاتا ہے اس کے دِل میں نفرت پیدا ہوتی ہے اُسے کوئی لذت کی کیفیت کوئی بھلائی نظر نہیں آتی۔ اصل جو کام ہے نبی اور رسول علیہ السلام کا وہ یہ ہے۔

اَب نبی کے اتباع کے ساتھ دنیوی فوائد حاصل ہوں دنیوی عزت و آرام حاصل ہو حکومت و سلطنت حاصل ہو تو یہ اللہ کا مزید احسان ہے لیکن یہ شرط نہیں ہے کتنے ایسے نبی مبعوث ہوئے جو خود راہِ حق میں ظلماً قتل کر دیے گئے کتنے ایسے نبی مبعوث ہوئے جن سے کسی ایک فرد نے استفادہ نہیں کیا کوئی ایک بندہ اُن کے ساتھ ایمان نہیں لایا کتنے ایسے نبی مبعوث ہوئے جن کے ساتھ چند لوگ ایمان لائے اور باقی قومیں تباہ ہوئیں۔ غرق ہو گئیں تو نبی کے ساتھ خواہ کسی کو شہید ہونا پڑے کسی کو قتل ہونا پڑے نبی کے اتباع میں یا نبی کے اتباع میں گھر بار لُٹ جائے یا نبی کے اتباع میں کوئی قید و بند کی مصیبت آجائے تو یہ شرط نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کا اتباع اُس حال میں کیا جائے

تاکہ اس نے دنیوی منافع ملے چونکہ نبی دنیوی منافع کی غرض سے مبعوث نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے کہ جب اس کا اتباع اختیار کیا جاتا ہے تو دنیوی اعتبار سے بھی وُہ مفید ہوتا ہے اور وُہ اس کے ساتھ تائید باری بھی ہوتی ہے اس لیے عزت وعظمت امن و سکون بھی ملتا ہے لیکن یہ شرط نہیں ہوتی۔ یہاں اِن آیات کریمہ میں انہی شرطوں کا تذکرہ ہے۔

کفار کہنے لگے کہ کبھی مان لینے میں تو چلو خیر ہے ہم مان لیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں لیکن فرق کیا پڑا دنیوی اعتبار سے ہمارے پاس دولت زیادہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیا ہے ہمارے مکان کئی منزلہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کچے گھر میں رہتے ہیں ہمارے پاس قیمتی اور فاخرہ لباس اور گھوڑے اور سواریاں اور نوکر چاکر موجود ہیں آپ کے پاس یہ سب کچھُ نہیں تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ کے ساتھ براہِ راست تعلق ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کریں کہ پہلے اِس صحرا میں اس ویرانے میں جہاں پانی کی بُوند کو ہم ترستے ہیں یہاں کوئی چشمہ ہی جاری کر دیں عرب کے صحرا کو سیراب کر دیں یہاں سے نہریں نکلیں یہاں باغ بنیں یہاں کھیت آباد ہوں یہ ویرانہ بس جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب اللہ سے براہِ راست تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسُول ہیں تو یہاں ایک چشمہ نکال دیجئے۔

تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا ۙ اس زمین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کا ایک فوارہ نکال دیں چلو ہمارے لیے نہ سہی اپنے لیے تو کوئی ایک باغ لگا لیجئے اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ اپنے لیے ایک باغ بنا لیجئے۔ جس میں رنگ برنگے پھُول ہوں۔ پھل ہوں نہریں جاری ہوں پانی کی بہتات ہو سبزہ ہوا در پتے چلے کہ جی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں بہت کچھ ہے آپ نے اس تپتے صحرا میں گل وگلزار کھلا دیے پھر اگر یہ بھی نہیں کر سکتے ہمارے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اہتمام دنیوی مال وزر کا یا دنیوی سہولتوں کا یا دنیوی کھیتی باڑی کا نہیں کر سکتے اپنے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی دولت جمع نہیں کر سکتے کوئی باغ نہیں بنا سکتے کوئی دنیوی اسباب جمع نہیں کر سکتے تو پھر وُہ قیامت قائم کر دو جس سے ہمیں ڈراتے ہو پھاڑ دو آسمان کو جو روز کہتے ہو آسمان پھٹ جائے گا اور فرشتے اُتریں گے اور اللہ کی بارگاہ ہوگی اور اللہ اپنا دربار سجائے گا اور انصاف ہوگا۔ تو پھر لاؤ۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال ہے تو آسمانوں کو پھاڑ دو پھر اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۙ اور وُہ فرشتوں کی فوجیں لاؤ اور اللہ کا دربار لگا دو دیکھیں کیا ہوتا ہے ہم بھی بات کریں پتہ تو چلے نتیجہ کیا نکلتا ہے اور یہ بھی تمہارے بس نہیں اور دعوئ نبوت ورسالت بھی ہے تو اپنا گھر تو سونے چاندی کا بنا لو کسی کے لیے بھی اگر کچھ نہیں کرتے ہو اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ۔ تو پھر اپنا گھر تو سونے کا بنا دو۔ کیا تم اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہو جیسا تمہارا دعوٰی ہے اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ۔ آسمان پر کیوں نہیں چڑھ جاتے ہر امیر کا درباری تو اس کے دربار میں ہوتا ہے ہر بادشاہ کا جو درباری یا مُشیر ہوتا ہے وُہ اس کے دربار میں ہوتا ہے اگر کہتے ہو کہ میں اللہ کا رسُول ہو تو پھر اللہ کے دربار میں جاؤ آسمان پر چڑھ جاؤ۔ لیکن ایک بات یہ سُن لیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر بھی چڑھ جائیں تو ہمیں اس سے کیا غرض کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر چلے گئے یا آسمان سے واپس آ گئے ہم بھلا کیوں مانیں گے ہم سے منوانا ہے تو آسمان سے آتے ہوئے ہمارے نام اللہ کی چھٹی لائیے۔ ایسا خط لائیے جو ہم خُود پڑھیں۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر چڑھ جانے کو نہیں مانیں گے حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ط

اُس وقت تک جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے کوئی چِٹھی لے کر نہ آئیں کہ میں اللہ کی بارگاہ میں گیا تھا۔ کہ اللہ نے فلاں فلاں کے نام پیغام بھیجا ہے ہم وُہ پڑھیں گے کہ کیا بات بنتی ہے۔

یہ جتنے سوالات کیے گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر یہ ہر اعتبار سے محض جاہلانہ ہیں اس لیے کہ اہلِ مکہ خوب جانتے تھے کہ اللہ کا رسُول صلی اللہ علیہ وسلم چالیس برس پیدا ہونے سے لیکر چالیس برس تک کی زندگی اُن میں بسر کر چکا ہے وُہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر عمل کی پاکیزگی نفاست وصداقت کے خوُد گواہ تھے اور مانتے تھے کہ یہ شخص جس نے انسانوں پر جھُوٹ نہیں بولا اللہ پر کیسے جھُوٹ بولیں گے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات ہی نہیں آتی تھی کہ دُنیا سے آگے بھی کوئی فائدہ ہے دُنیا کے علاوہ بھی کوئی لذّت ہے مال و زر کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی شرط یہ بھی کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں سچے ہیں تو بھئی ہم نہیں کہتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم غلط کہتے ہیں ٹھیک ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں۔ اگر اللہ کے رسول ہیں تو کوئی چشمہ نکالو کوئی دریا بہا دو صحرا آباد ہو جاتے ہمارے لیے نہیں کرتے تو اپنے لیے ایک جنت بنا لو وُہ بھی نہیں ہو سکتا تو کم از کم اپنا یہ ایک جو جھونپڑا ہے اسے تو سونے اور زر و جواہر کے محل میں بدل دو کچھ تو پتہ چلے تم کسی بادشاہ کے کسی امیر کے درباری ہو اور وُہ کتنا بڑا بادشاہ ہے کتنا بڑا سُلطان ہے اُس نے تمہیں کیا کچھ دے رکھا ہے پھر اس کا دربار تو آسمانوں پر ہے زمین پر تو ہم نے نہیں دیکھا تو پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے آسمانوں پر آتے جاتے نہیں دیکھا پھر یہ کیسے درباری ہو آپ ؐ اور کیسے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور کیسے اللہ کے فرستادہ ہو کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پاتے ہیں اور اگر آسمان پر آپ ؐ تشریف لے بھی جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے جانے کا ہمارے ساتھ کیا تعلق۔ ہمیں تو [illegible] مانی ہوئی یہاں سے لوگ بادشاہوں کے دربار میں جاتے ہیں واپس آجاتے ہیں تو ہمارا اُس بادشاہ سے کیا رشتہ بات تو تب ہے کہ وُہ ہمارے نام چِٹھی بھیجے اور ہم اُسے سنیں ہم بات کریں پھر مانیں تو بات ہے۔ یہ ساری خرافات تھیں عقلی اعتبار سے بھی نقلی اعتبار سے بھی اور مشاہدات اور ان کے جو اپنے تجربات تھے اُن کے اعتبار سے بھی وُہ جانتے تھے کہ یہ ہستی غلط بیانی نہیں کرتی وُہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ اللہ کا کلام اللہ سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ہے کھیتی باڑی کے لیے نہیں ہے دنیوی مفاد کے لیے نہیں ہے مشروط نہیں ہے دنیوی فائدوں کے ساتھ بلکہ اس کا مقصد و مدعا بندے کا رشتہ اپنے مالک سے استوار کرنا ہے وُہ یہ بھی جانتے تھے کہ اگر اللہ ہر آدمی کو چِٹھی یا کتاب بھیجنا شروع کر دے تو نبوّت کا تو فائدہ ہی کوئی نہ رہا اور نبوّت کا جو تصور ہے وُہ ہی کالعدم ہو گیا۔ ہر آدمی نبی ہو گیا ہر آدمی رسُول ہو گیا وُہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ساری باتیں عقلاً بھی بودی ہیں نقلی اعتبار سے اس لیے بودی ہیں کہ آج تک کسی نبی اور رسول علیہ السلام نے ایسا کیا تو نہیں کہ کوئی نبی آیا ہو اور جہاں وُہ آیا ہو۔ وہاں اس نے نہریں بہا دی ہوں اُس نے سونے کے گھر بنا دیے ہوں نبی اس کام کے لیے آتا ہی نہیں تو یہ نقلی اعتبار سے بھی وُہ جانتے تھے کہ ہمارے ان اعتراضات میں کوئی وزن نہیں ہے۔ عقلی اعتبار سے بھی جو اُن کا مشاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا اُس اعتبار سے بھی۔ اَب اس کا جواب اگر کسی میرے جیسے بندے نے دینا ہوتا تو سخت کلامی کرتا اُنہیں کہتا تم بکتے ہو تم بکواس کرتے ہو یہ ساری خرافات ہیں یہ بکواس ہے تم کافر ہو۔ تم مشرک ہو تم جہنمی ہو جیسا کہ ہم آج کل روزمرّہ دیکھتے ہیں یہ تو بودے اور لایعنی سے اعتراض تھے کوئی صحیح قسم کا سوال بھی سمجھنے کے لیے کیا جائے اور بتانے والے کو اُس کی سمجھ نہ ہو تو وُہ یہ نہیں کہتا کہ کسی اور عالم سے پُوچھ لیں یا مطالعہ کر کے بتا دیں گے وُہ اُلٹا پُوچھنے والے کو کافر ڈیکلیئر کر دیتا ہے۔ قرآن کا یہ اسلوب نہیں ہے۔

اللہ کی ذات بہت بڑی بے نیاز ہے اُسے کسی کا لحاظ کرنے کی ضرورت نہیں اسلوب بیان یہ ہے کہ اس ساری خرافات کا ایک نہایت حسین وجمیل جملے میں جواب ارشاد فرمادیا۔ فرمایا
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
اُن سے کہو میرا رب پاک ہے جو کسی سے مشروط اطاعت کرائے یہ کرے تو کوئی اُسے مانے گا۔ یہ نہ کرے تو کوئی نہیں مانے کسی کے ماننے یا نہ ماننے یا کسی کے شرط لگانے سے کچھ کرنے پر وہ مجبور نہیں ہے وہ ان باتوں سے بہت بلند ہے رہ گیا میرا سوال تو میں نے بھی تو تم سے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں رب ہوں میں تو کہتا ہوں کہ میں بھی انسان ہوں تم بھی انسان ہو میں اللہ کا رسول ہوں تو تم انسانی کردار کے اعتبار سے میرے کردار پہ انگلی رکھ کر بتاؤ کہ تمہارا کردار یہاں سے صحیح نہیں ہے تم کیسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو مزا تو تب ہے کہ تم میری چالیس سالہ انسانی زندگی کا کوئی لمحہ نکال کر دکھا دو کہ یہ کردار اور دعویٰ نبوت یعنی میرے ساتھ اگر تم بحث کرنا چاہتے ہو مجھے جانچنا چاہتے ہو مجھے پرکھنا چاہتے ہو تو بحیثیت انسان بحیثیت اولادِ آدم بحیثیت ایک بشر بحیثیت بیٹے بحیثیت بھائی بحیثیت پڑوسی بحیثیت کاروباری شریکِ کار بحیثیت دوست بحیثیت دشمن چالیس برس تم نے مجھے آزمایا ہے کہیں انگلی رکھ کے بتاؤ کہ تم یہاں سے غلط ہو تمہیں دعوتِ نبوت زیب نہیں دیتا اور اگر نہیں کر سکتے ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ محض تمہاری ضد ہے تمہارا عناد ہے۔

میں آیہ مبارکہ اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ آج یہ گمراہی ایک دوسری شکل میں ہے اُن کا خیال تھا کہ نبی بشر تو ہے لیکن بشر رسول کیسے ہو سکتا ہے ہماری طرح کھاتا ہے پیتا ہے سوتا ہے جاگتا ہے شادی کرتا ہے۔ اولاد ہوتی ہے۔ بیویاں ہیں۔ بچے ہیں۔ مائیں ہیں۔ بہنیں ہیں۔ باپ ہے گھر ہے۔ کاروبار ہے تجارت ہے۔ گرمی سردی محسوس کرتا ہے سوتا جاگتا ہے۔ بھوک پیاس سے متاثر ہوتا ہے۔ زخم لگتا ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ساری بشری خصوصیات کے ساتھ یہ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو ہم یہ نہیں مانتے بھئی اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو کم از کم ان باتوں سے تو بلند تر ہوا اور کوئی فرشتہ قسم کی چیز ہو نہ کھاتا ہو نہ پیتا ہو نہ سوتا ہو نہ جاگتا ہو نہ اُسے گرمی لگے نہ سردی لگے نہ اس کا کوئی گھر بار ہو نہ اس کا کوئی بیوی بچہ پھر تو بات ہوئی پھر مزا آیا یہ آدمی یہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ عام آدمی کی طرح نہیں ہے۔

اس تصور کو آج یوں بدل دیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو برحق ہے لیکن بشر نہیں ہے یعنی وہاں اقرار تھا حضور اکرم ﷺ کی بشریت کا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں اور ہم سے بہتر ہیں بشریت ہیں ہم مانتے ہیں۔ ہم جھوٹ بولتے ہیں آپ ﷺ سچ کہتے ہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں ہم ظلم زیادتی کر لیتے ہیں آپ ﷺ کسی سے زیادتی نہیں کرتے ہم یہ مانتے ہیں۔ ہم سے خطائیں ہوتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی خطا نہیں کرتے ہم سے ہزار برائی ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی برائی کی ہم نشان دہی نہیں کر سکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہترین انسان ہیں جو کہا جا سکتا ہے انسانیت کا بہت اعلیٰ نمونہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ بات ہم مانتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں بشر ہیں۔ نبی علیہ السلام نہیں ہو سکتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ماننے کے لیے جو انہوں نے شرائط لگائیں۔ وہ ساری وہ تھیں جو براہِ راست اللہ کریم کا اپنا کام ہے کہیں چشمہ نکال دے یا کہیں دریا بہا دے کہیں خشکی کر دے یا کہیں کھیت لہلہانے لگیں کہیں پھل اور پھولوں کی بہتات کر دے یا کہیں مہکتے بستے باغوں کو اُجاڑ دے یہ تو اس کا اپنا کام ہے اللہ کا کام ہے ان کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے لیے نبی علیہ السلام کو خدائی صفات میں شریک ہونا چاہیے اگر ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دخل نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے نبی کیسے ہیں بادشاہ کے درباری تو بادشاہ کے نام پر ہزاروں کام کر دیتے ہیں کسی سلطان و امیر کا درباری تو اس کے نام پر ہزاروں کام کر گزرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُس کے درباری اور اس کے قرب سے فیض یاب ہیں کہ جس کا کوئی کام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے نام پر نہیں کر سکتے تو کیا فائدہ ہُوا۔

لیکن لوگ یہ بھُول جاتے ہیں کہ بادشاہ بھی انسان ہوتا ہے اُس کے درباری بھی انسان ہوتے ہیں انسان کا انسانی اوصاف میں شریک ہونا کوئی عجیب بات تو نہیں ہے ایک ہی وصف اُس کا الگ ہونا وُہ بادشاہ ہے اور ہم اس کے ماتحت ہیں اِس کے علاوہ انسانی اوصاف تو سارے ایک جیسے ہیں اور اللہ تو بے مثل و بے مثال ہے رسُول ہو یا نبی علیہ السلام فرشتہ ہو یا کوئی مخلوق اُس کی صفات میں اُس طرح سے شریک ہونا تو محال ہے وہاں یہ مثال تو نہیں دی جا سکتی۔

لیکن اُن کی بدبختی یہ تھی کہ دنیوی فوائد سے آگے انہیں کوئی سوجھتا ہی نہیں تھا اگر وُہ خدا کو خدا اللہ کو اللہ ماننے کے لیے تیار تھے تو بھی دنیوی منافع کے لیے نبی کو نبی ماننے کے لیے تیار تھے تو بھی دُنیا ہی کے لیے تیار تھے جب کہ نبی مبعوث ہی ہوتا ہے آخرت اور آخروی زندگی کے لیے دُنیا کے قوانین کو نبی علیہ السلام اس لیے بتاتا ہے کہ دنیوی کردار پر آخرت کی تعمیر ہو اگر دنیوی کردار پر تعمیرِ آخرت کا تعلق نہ ہوتا تو یقیناً نبی علیہ السلام زندگی بھر دُنیا کی بات ہی نہ کرتا دُنیا اس قابل نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام اُس پر بحث کرے فی نفسہٖ دُنیا کی کوئی اہمیّت نہیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجُود ہے کہ ایک مچھّر کے پَر کے برابر اگر دنیا کی قیمت اللہ کی بارگاہ میں ہوتی تو کسی کافر کو نہ دیتا اللہ کے نزدیک آخرت قیمتی ہے کسی کافر کو دیکھنے بھی نہیں دیتے دنیا کی کوئی قدر و قیمت نہیں ایک نظام ہے مومن کو بھی ملتی ہے کافر کو بھی ملتی ہے مومن پر بھی غربت آتی ہے کافر پر بھی غربت و افلاس اُس کی اپنی آزمائش ہے کبھی بھوک و پیاس دے دیتا ہے کبھی شکم سیری دے دیتا ہے کبھی فراخی کبھی تنگی کبھی حکومت و اقتدار کبھی قید و زندان دیکھتا ہے کہ بندہ کس حال میں میرے ساتھ کیسا رہتا ہے امارت و غربت میں فقیری و امیری میں بیماری و صحت میں اس کا میرے ساتھ حالات زمانہ یا حالاتِ دُنیا میرے اور میرے بندے کے تعلقات پہ اثر چھوڑتے ہیں یا میرے ساتھ اُس کا تعلق کھرا ہے دُنیا اِس طرف ہو یا اُس طرف چلی جائے میرے ساتھ تعلق پر کوئی فرق نہ آتا ہو۔

یہ بات میں مکّے والوں کے لیے نہیں کر رہا وہ تو گزر گئے میں کر رہا ہُوں اپنے لیے کہ آج پھر ہمارے پاس یہی دو مصیبتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہر آدمی کم و بیش ہر آدمی اِلّا مَا شَاءَ اللّٰہ ہر آدمی نے یہ کمر باندھ لی ہے کہ میں حضورؐ کو مانتا ہُوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع ہُوں میں مسلمان ہُوں اُمتی ہُوں لہٰذا میرا دُنیا کا سارا کام صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی کرنا ہے یعنی ہر آدمی نے اب رمضان شریف ہے سارے دن کے تھکے ہُوئے اب گھر جائیں گے روزہ افطار کوئی نہیں کرنے دیتا اور ہر شعر میں صرف یہ پیغام کرتے کیا جا رہا ہے بارگاہِ رسالت میں کہ ہمارا بیٹا بیمار ہے اُسے ٹھیک کر دو ہماری گائے مر گئی وُہ درست کر دو ہمارے کام بگڑے ہُوئے ہیں وُہ بنا دو ہمارا یہ ہو گیا وُہ ہو گیا کوئی وُہی کے والی باتیں دُہرائی جا رہی ہیں آپ سُن لیں جسے آپ نعت کہتے ہیں اور جسے آپ بڑی سعادت سے پڑھتے ہیں اُس کا مفہوم دیکھ لیں سوائے اس کے کبھی یہ کوئی یہ نہیں کہتا کہ یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے ہدایت کی دُعا کر دیجیے مجھے اللہ کا بندہ بنا دیجیے مجھے بُرائیاں چھڑا دیجیے مجھے گناہوں کوئی نہیں سارے مفلسی اور افلاس سے پریشان ہیں سارے دُکھوں کے مارے ہُوئے ہیں اور سارا رات دن

جی شور ہے ہمارا یہ کر جاؤ ہمارا وُہ کر جاؤ وُہ جو مکہ والوں کا مطالبہ تھا اُن کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر نہیں سکتے یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کر سکتے ہیں ہمارا کرتے کیوں نہیں یا یہ کوئی مسلمانی تو نہیں ہے۔

اس کا اثر جو ہے ہمارے اس نظریے پر پڑا کہ ہم نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ ولی اللہ بھی کوئی الگ سی مخلوق ہوتے ہیں وُہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ عام انسانوں کی طرح رہتے ہیں نہ تلاش کرنے سے ملتے ہیں ان کا نہ کوئی بیوی بچہ ہوتا ہے نہ کوئی گھر گھاٹ عجیب سی مخلوق ہے جو جنگلوں صحراؤں میں پھرتی ہوتی ہے تو جو کوئی مِل جائے اُس کی دُنیا بنا دیتے ہیں دین کی بات پھر بھی نہیں کرتے کہ اتنی مشکلوں سے ایسی مخلوق عجیب و غریب مِل جاتے تو شاید دین بن جاتے نہیں کہتے ہیں پھر بھی اس کی دنیا بن جائے۔

بڑی حیرت مجھے اس وقت ہوتی ہے جب لوگ وہی اعتراض کرتے ہیں جو کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے یہ چودہ سو سال بعد انہیں کس نے سکھایا کہ ایسی باتیں کرو تو قرآن حکیم دیکھتے ہوئے میں ایک مقام سے گزرا اُس دور کے لوگوں کی بات کرتے ہوئے اللہ کریم فرماتا ہے کہ یہی جو باتیں یہ کہتے ہیں۔ ان سے پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے تو اُن میں کوئی ربط نہیں تھا وُہ زمانہ کوئی کتابیں چھپنے کا نہیں تھا کوئی اخبار رسالے نہیں چھپتے تھے تو یہ بات ان تک کیسے پہنچی کہ وہی اعتراض انہوں نے یاد کر لیے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

تشابہت قلوبہم - ان کے دل بگاڑ میں پہلے کافروں کے ساتھ مشابہت اختیار کر گئے اور بہر حالت یہ ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کے ساتھ ساتھ اعتراض ہوتے ہیں اُن کا حال وُہی پہلے کافروں جیسا تشابہت قلوبہم اُن کے دلوں کا حال ویسا ہو گیا وہی اعتراض انہیں سوجھنے لگے آج جب وُہی باتیں لوگوں کے منہ سے نکلتی ہیں تو دل کانپ اُٹھتا ہے کیا لوگ بدبختی میں کافروں جیسی کیفیت لیے پھرتی ہیں بڑا عجیب حال ہے کہ جو بات کفارِ مکہ کو سوجھے آج کے انسان کے منہ سے نکلے تو پھر اس کا جواب یہی ہے تشابہت قلوبہم کہ اِن کے دلوں کی کیفیت ویسی ہو گئی اور ویسی باتیں اُن پر آنے لگیں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ کے حکم سے کتنا خوبصورت جواب دیا فرمایا۔

میں نے تو اس کے علاوہ کو مطالبہ نہیں کیا کہ میں بشریت سے مافوق ہو گیا ہوں نہیں میں تو بشر ہوں انسان ہوں ہاں میں نے یہ کہا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں تو اللہ کی باتیں مجھ سے پُوچھو مجھ سے یہ پوچھو اللہ کیسا ہے اُس کی ذات کیسی ہے اُس کی صفات کیسی ہیں مجھ سے یہ پُوچھو اللہ کس بات پہ راضی ہے کس بات پہ خفا ہوتا ہے مجھ سے یہ پُوچھو اللہ کی عبادت کا طریقہ کیا ہے اس میں اگر غلطی آ جائے اس میں خطا آ جائے تو اس کا میں ذمہ دار دونوں جہانوں میں ہوں۔ جو میرا دعویٰ ہے اس کے علاوہ جو کام تم کہہ رہے ہو یہ تو اُس کے اپنے کرنے کے ہیں اُس کے ساتھ تعلق قائم کرو۔ پھر اُس سے بات کرتے رہنا کیا کرتا ہے کیا نہیں کرتا۔

یہ بات آپ اگر آج کے انسانوں کو سمجھا سکیں تو یہ جتنے لوگ بزرگوں کے مزاروں پہ جاتے ہیں وہاں سے یہ بھیڑ چھٹ جائے لوگ گھروں میں بیٹھ جائیں انہیں اگر یہ پتہ چلے کہ وہاں سے دین مِل سکتا ہے دُنیا تو اللہ نے اپنی مرضی سے دینی ہے کسی کو دے یا نہ دے تو یہ جتنے دھوم دھڑلے عرس مناتے ہیں یا ڈھول باجے بجاتے ہُوئے جاتے ہیں قوالیاں کرتے ہُوئے لوگ بسیں بھر بھر کر لے جاتے ہیں ان میں سے ایک بھی نہ جائے یہ سارے محض دُنیا کے فائدے کے لیے جاتے ہیں آپ کسی کے قریب کسی سے پیار سے کسی سے تسلی سے پُوچھ لیں تو کوئی نہیں ملے گا آپ کو جو کہہ رہا ہو فلاں بزرگ کے پاس جاتا ہوں وہاں رہ کر دل کا

حال درست ہوگا وہاں کوئی خوفِ خدا پیدا ہوگا وہاں کوئی طبیعت میں نیکی پیدا ہوگی الاّ ماشاءاللہ اگر ہزار میں سے ایک نے کہہ دیا تو نہ کہنے کے برابر ہے لیکن اکثریت آپ کو ہزار میں سے نوسو ننانوے میں کہہ رہا ہوں شاید لاکھ میں سے کوئی ایک وُہ کہنے والا ہو اور باقی سارے دُنیا کی غرض سے جائیں۔

تو اللہ کریم نے بڑا خوبصورت بڑا مزیدار جواب ارشاد فرمایا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝

بات اٹک گئی ایک جگہ پر آکر وہ کہنے لگے بھئی مان تو لیتے لیکن اپنے جیسے انسان کو اللہ کا رسولؐ مانیں اب جب اللہ کا رسولؐ مانیں گے یہاں مصیبت ختم نہیں ہوگی یہاں سے تو مصیبت شروع ہوگی کہ یہ تو وُہ ہمارے جیسا آدمی ہمارے قبیلے ہمارے رشتے ہمارے گاؤں کا رہنے والا لیکن جب ہم اُسے اللہ کا رسُول تسلیم کریں گے تو اللہ کے مقابل ہمیں اپنے سارے اختیارات چھوڑنا پڑیں گے پھر جو اللہ کہے گا کریں گے اللہ ہم سے تو نہیں کہے گا اللہ تو رسُول سے کہے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے نام پر ایک انسان کو ہم اپنے اُوپر بڑا مان لیں تو ہم خُود بڑے کیوں نہیں ہیں۔ یہ جو ذاتی بڑائی اور ذاتی تکبر تھا یہ برکات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصول کرنے میں دیوار بن گیا ورنہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ۔ کیا مصیبت تھی لوگو! کو کیا دیوار کھڑی ہوگئی کیوں رُک گئے آخر انہیں چاہیے تو ہدایت تھی اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ اُن کے پاس ہدایت آگئی یعنی غرض تو تھی اللہ سے تعلق کیسے بنے ہم اپنی حیثیت کو اپنی حقیقت کو کیسے پائیں اپنے مالک کو کیسے تلاش کریں اپنے مالک سے ہمارا رابطہ کیسے استوار ہو تو وُہ بات کو پہنچتی رسُول کی زبانی پھر اللہ کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے کا سبب کیا تھا اللہ کریم فرماتے ہیں یہ بات کھا گئی کہ ہم ایک انسان کو اپنے سے بڑا سمجھیں اور اس کے پیچھے چلیں تو ہمارے پلے کیا رہا ہماری چودھراہٹ ہماری ملکانی ہماری خان گیری ہمارا یہ کرّوفر ہماری یہ شان و شوکت ہم جو یہ کہتے ہیں کہ میں ایسا کہتا ہوں ایسا کرو نہیں تو میں یہ کر دوں گا وُہ کردوں گا تو یہ بات تو یہ تو ختم ہوگئی یہ تو نہیں کہہ سکیں گے کہ میں ایسا کہتا ہُوں ہمیں یہ کہنا پڑے گا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کہتے ہیں تو ہمارے پلے کیا بچا فرمایا صرف یہ ذاتی تکبر اور انا آگئی ورنہ اُنہیں کوئی شبہ نہیں تھا۔ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں نہ کتاب کے بے مثل و بے مثال ہونے میں نہ کتاب کے بےنظیر ہونے میں نہ اخبار کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا ان کے پاس کوئی رد کرنے کا ثبوت نہیں تھا کہ کبھی ایک ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کرتے کر نہیں سکتے تھے لیکن فرمایا انہیں بات یہ مار گئی یا کوئی مافوق الفطرت ہستی ہوتی پیارہم اُسے اپنے سے بڑا مان بھی لیتے کوئی بات تھی اپنے جیسے آدمی کو بڑا مان لیں یہ نہیں ہوسکتا کتنی فضول بات تھی۔ اللہ کتنا کریم ہے اس نے اس کا بھی جواب دیا جھڑکا نہیں ہے فتویٰ نہیں دیا خفا نہیں ہُوا بات کا جواب ارشاد فرمایا۔ فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دو۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ

اگر زمین پر فرشتے بستے اگر فرشتوں کو آزمائش میں ڈالا جاتا کہ اُنہیں بھوک بھی لگتی اُنہیں گرمی سردی بھی ستاتی اُن کے بیوی بچے ہوتے اُن کے گرد اگرد ضروریات کی چیزیں پڑی ہوتیں پھر اُن پر آزمائش ڈال دی جاتی کہ اُنہی چیزوں کو استعمال تو کرنا ہے اپنی پسند سے کرو گے تو اللہ ناراض ہوگا اللہ کے حکم کے مطابق کرو گے تو اللہ کا قرب پاؤ گے اگر سارے پر آسس میں فرشتوں کو ڈالا جاتا تو یقیناً ان کے پاس رسول بھی فرشتہ ہی آتا تو اگر یہی سارا کام فرشتوں کے گلے ڈالا جاتا تو پھر ان کی فرشتگی کہاں رہتی ہوتے تو وُہ بھی پھر تمہاری ہی طرح کی مخلوق نام کے فرشتے رہ جاتے

ہی سارے اوصاف وہاں آجاتے تو تمہارا یہ سوال کہنا بے تکا کہنا بے جا ہے کہ اس کا معنیٰ تو یہ ہے کہ انسانوں کی جگہ فرشتوں کو سارے انسانی فرائض اور ساری انسانی ضرورتیں لگا کر اللہ کا رسول بنایا جاتا یہ کتنی احمقانہ بات ہے محض رد نہیں فرمایا۔ بلکہ رب العزت نے بے نیاز اور پاک ہوتے ہوئے بھی دلیل سے بات کی محض یہ نہیں کہا کہ تم بکواس کرتے ہو نہیں یہ نہیں فرمایا دلیل سے بات ارشاد فرمائی میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہئے کہ اگر زمین پر رہنا بسنا فرشتوں کے گلے مڑھ دیتے تو اُن کی طرف رسُول کوئی فرشتہ ہی بھیج دیتے بھئی جب ذمہ داری تمہاری ہے رہنا بسنا تمہیں ہے امتحان تمہیں دینا ہے تو رسُول بھی تمہیں میں سے آئے گا کہ جو ثابت کرے کہ اللہ کے احکام پرعمل ناممکن نہیں ہے دیکھو میں بھی انسان ہُوں اور میں کر رہا ہُوں مجھے ماننے والے بھی انسان ہیں اور وُہ اس پر عمل کر رہے ہیں اگر کوئی فرشتہ ہوتا تو تم ہی کہہ دیتے میاں تم تو فرشتے ہو تم نے روزہ رکھ لیا تو کیا فرق پڑا تمہیں ویسے کب کھانا پینا تھا یا اگر تم جھوٹ نہیں بولتے تو تمہیں کیا فرق پڑتا ہے تمہارے پاس پیسے نہ ہُوئے تم نے رشوت نہ لی تو تمہیں کیا فرق پڑے گا تم تو فرشتے ہو ہم انسان ہیں ہم بال بچے دار ہیں ہماری ضرورتیں ہیں بیماریاں ہیں فلاں ہیں فلاں ہیں پھر تو اس طرف نکل جاؤ گے تو یہ کتنی صحیح بات ہے کہ انسانوں کی طرف رسول بھی انسان ہی آئے تو جب رسُول صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں۔

تو ولی تو نبی علیہ السلام کی خاک چھننے والے کو کہتے ہیں جس نے چند ریزے زیادہ جمع کر لیے وُہ ولی ہو گیا وُہ بھلا کیسے عجیب و غریب مخلوق ہو سکتا ہے یقیناً ولی بھی انسان ہوگا اُس کا گھر بار ہوگا اُس کا کھانا پینا سونا جاگنا ہوگا اُس کا کاروبار ہوگا فرق یہ ہوگا۔ عام آدمی ہیں اور ولی اللہ میں کہ عام آدمی احکام الٰہی دلیری سے پامال کرے گا اور وُہ اللہ کی زمین پر سانس بھی احتیاط سے لے گا۔ یہ جو ہم نے گھڑ لیا ہے تاکہ کوئی عجیب و غریب مخلوق ہو اُس کو تلاش کر دیا کسی ولی اللہ سے ہمیں دُنیا ملے یہ سارا فضول ہے۔ ارے وُہ خود انسان ہے وُہ خود خوشہ چین ہے وُہ خود کسی کے قدموں کے نشانوں کا متلاشی ہے وُہ خود بیمار ہوتا ہے وُہ خُود کمزور پڑتا ہے اُسے خود بھُوک ستاتی ہے اُسے خود نیند آتی ہے تو آپ کے سارے مسئلے وُہ کیسے حل کرے گا۔

ہاں اُس کے پاس اگر دردِ دل ہے اگر قلب کا نُور ہے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات ہیں وُہ اس سے لو اور یہ سارے مسئلے وہاں لے جاؤ جس کے ساتھ وُہ تمہارا تعلق قائم کرتا ہے جو تمہارا مالک ہے جس کی کائنات ہے اور جس کی ذمہ داری ہے جو اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے جو ساری کائنات کا نظام چلا رہا ہے کہتا ہے کہ میں اتنا کریم ہُوں کہ تو میرے کرم کی انتہا کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ تیری ضرورتیں بعد میں آتی ہیں میں اُن کی تکمیل کے ذرائع تیری ضرورت پیدا کرنے سے پہلے تیرے گرد پھیلا دیتا ہوں تو خواہ مخواہ گھبراتا ہے آج تک اللہ کریم نے کبھی انسان کو فراموش نہیں کیا۔ کبھی کو اداره نہیں کیا کیا ایک ایک سانس ایک ایک ذرہ گِن گِن کر دیتا ہے۔ چونکہ انسانوں کی آزمائش ہے پھر انسان جو کچھ خواہش پیدا کرتا ہے یہ ضروری تو نہیں ساری وُہ صحیح ہوں آپ سے چھوٹا بچہ چاقو مانگتا ہے تو آپ اُسے چاقو نہیں دیتے وُہ روتا ہے چلاتا ہے قلم دے دیتے ہیں اور کوئی چیز دے دیتے ہیں چاقو نہیں دیتے اب بچے کو ضد تو یہی ہے کہ یہ باپ یا ماں میری دشمن ہے یہ بڑا خوبصورت بڑا چمکدار چاقو تھا مجھے نہیں دے رہے یہ بات تو نہیں سمجھتا کہ اس کی شفقت مانع ہے چاقو دینے سے اس طرح بے شمار ایسی خواہشات ہوتی ہیں جو اگر پوری ہوں تو شاید ہمارا ایمان ضائع ہو جائے شاید ہماری صحت تباہ ہو جائے شاید اس سے کوئی بڑا نقصان ہو جائے تو ہم مانگتے رہتے ہیں وُہ ایسا کریم ہے کہ اُن کے بدلے ہمیں مفید چیزیں دیتا رہتا ہے تم جو

مانگ رہے ہو یہ تمہارے لیے مضر ہے یہ نہیں دیتا یہ سے تو چونکہ
اللہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ بندہ مانگے اور اللہ نہ دے یہ تو
کوئی بات ہی نہ ہوئی بات ہی نہ ہوئی۔ وُہ تو ایسا کریم ہے کہ
کوئی بھی اُسے پکارے وُہ کوئی دُور ہے انسانوں سے انسان
خُود اپنی ضرورت نہیں سمجھتا وُہ جانتا ہے۔

تو یہ تصور جو اہل اللہ کے لیے ہم نے گھڑ لیا ہے یہ بھی
درست نہیں اور یہ جو معیار ہم نے بنا لیا ہے کہ فلاں بزرگ کے
پاس گئے تو ہمیں اتنا دینوی فائدہ ہُوا اگر فائدہ ہُوا تو یہ رب
کی مرضی اور اگر نقصان ہوا تو یہ میرے رب کی مرضی لیکن اُس کے
پاس جانے سے اگر تمہیں وُہ کیفیت نصیب ہو کہ اللہ پر اعتراض
کی بجائے اللہ کی بجائے اللہ کی اطاعت آجائے اللہ کے رسُول ؐ
کے احکام چھٹنے لگیں تو دِل پر ٹھیس لگے مجھے بڑا الحمد للہ بڑا
لطف آیا اپنے مولانا سلیم صاحب کا خط پڑھ کر کل کی بات
ہے تو آپ کے اس اعتکاف میں آنے سے پہلے پندرہ بیس
روز سے یہاں گزار کر گئے بزرگ آدمی ہیں پُرانے علماء میں
سے ہیں عمر رسیدہ ہیں تو مجھے بڑی خوشی ہوئی خط میں لکھتے ہیں کہ یار
انسان ہوں ساری عمر بڑی اچھی گزاری ہے اللہ کے دین کی ترویج
میں بسر کی ہے لیکن ایک بات کا احساس اب ہُوا ہے کہ پہلے شریعت
پر عمل کرنے سے چوک جاتا شرعی حکم رہ جاتا تھا تو دل پر اس طرح
سے چوٹ نہیں پڑتی تھی جس طرح اَب پڑتی ہے اب اگر کوئی
بات رہ جائے تو دل پر چوٹ پڑتی ہے اور یہ نعمت مجھے وہاں
دس پندرہ دن گزار کر ملی ہے دیکھیں نا اللہ کریم اگر توفیق ہدایت
دے تو کتنا اچھا معیار ہے۔ الحمد للہ میں بڑا خوش ہُوا کہ چلو کسی
ایک نے تو بات کو سمجھا کوئی ایک تو بات کو پا گیا کہ مجھے کیا چاہیے
کیا حاصل کرنا ہے کس غرض سے محنت کی جانی چاہیے۔ اور کس
شخص کے ساتھ لگ کر محنت کی جانی چاہیے معیار کیا ہو کہ ہمیں
کیا مل رہا ہے۔

نبی علیہ السلام کی اتباع میں اس طرح اہل اللہ کے ساتھ لگنے میں
یقیناً دینوی فوائد ہوتے ہیں یہ اس لیے نہیں ہوتے کہ یہ لوگ دنیا
کو اِن کاموں میں دخل ہوتا ہے وہ اس لیے ہوتے ہیں کہ وہاں
رہ کر دنیا میں رہنے بسنے کا وُہ اسلوب آجاتا ہے جس پر اللہ کریم
دینوی فوائد مرتب فرما دیتے ہیں یہ تو ایک قدرتی نتیجہ ہے دنیا میں
کی بہتری ملتی ہے اتباع شریعت میں اللہ کی اطاعت ہے اور
اللہ کی اطاعت کرنے میں دُنیا میں بھی عزت آرام و سکون ملتا ہے
آخرت میں بھی ملتا ہے۔

لیکن حصول برکات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ
وُہی تکبر ہے جو شیطان کو لے ڈوبا جو انسانوں کو لے ڈوبتا ہے
یہاں اسی سورۃ میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ انسان تو بڑا
ہی کم حوصلہ اور تنگ نظر ہے یعنی انسان تو ایسا ہے فرمایا ان
سے کہیے، قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ
کہ لوگو تم یہ جو مطالبے داغ رہے ہو یہ کر دو وُہ کر دو دنیاوی
فائدہ وُہ فائدہ ہو ورنہ ہم نبی نہیں مانتے اور اگر نبوت اور کمالات
نبوت جو اللہ کے بہترین خزانے ہیں ان پر تمہیں اختیار دے دیا
جاتا کہ چلو کسی کو نبی بنا دو جسے تم پسند کرتے ہو اُسے تم نبی بنا دو
فرمایا۔ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ تو تم اسے بھی
قبول نہ کرتے کسی کو نبوت دے ہی نہ سکتے پھر تم اس کو بھی
روک لیتے کیوں؟

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ انسان بنیادی طور پر اگر نور
ایمان نصیب نہ ہو تو وُہ بہت تنگ نظر ہے بات پھر وہیں آ
جاتی تم کہتے ہمارے کہنے سے نبی بن جائے گا۔ ہم اس کے ہاتھ
پر بیعت کر لیں گے پھر ہمارا اختیار سلب ہو جائے گا۔ پھر بھی بات
تو اس کی ماننی پڑے گی۔ اپنی بات تو پھر ختم ہو گئی۔ یعنی بات تو
وہیں۔ تم تو کہتے ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہیں ہیں آپ کو
اللہ نے کیوں نبی بنایا یہ شرط ہونی چاہیے وُہ شرط ہونی چاہیے

دو اگر اللہ اپنی رحمت کا یہ خزانہ نورِ نبوّت اور برکاتِ نبوّت تمہاری صوابدید پر چھوڑ دیتا تمہارے ہاتھ میں دے دیتا کہ چلو جسے تم کہتے ہو اُسے نبی بنا دو تم بنا دو کسی کو نبی علیہ السلام،

اللہ فرماتا ہے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دے اگر میں یہ تمہیں اختیار بھی دے دیتا ہوں تا پھر کسی کو نبی نہ بنا سکو گے اس لیے تمہاری اپنی انا درمیان میں پھر آ جائے گی کہ یار یہ تو پھر ہم سے بڑھ جائے گا۔ اور فرمایا وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ انسان بہت تنگ ظرف ہے بہت تنگ نظر ہے دُوسرے حیوان جو حیوانیت کرتے ہیں جبلی ضرورت کے لیے کرتے ہیں شیر شکار کرتا ہے تو بھوکا ہو تو ایک جانور مارتا ہے کھائے پیٹ بھرے جب تک دوبارہ بھوک نہ لگے دس دس دن اُس کے اُوپر سے جانور گزریں نہیں مارتا انسان شغل کے لیے شکار کو نکلتا ہے اور جتنے جانور قابو آ جائیں مار مار کر ڈھیر لگا دیتا ہے سانپ مضر ہے کاٹتا ہے لیکن اُسے یہ خطرہ ہو کہ میں مارا جاؤں گا کاٹتا ہے اُسے گز بھر مل جائے فاصلہ سمجھے کہ بھاگ جاؤں گا بھاگ جاتا ہے کاٹنے کو نہیں آتا انسان محض لذت لینے کے لیے دُوسروں تکلیف دیتا ہے اور قتل کر دیتا ہے اور تباہ کرتا ہے اور پھر یہ نہیں کہ وقتی پیٹ بھرنے کے لیے نہیں بڑا لمبا منصوبہ بنا کر آئندہ کی آمدن کو دیکھ کر پُوری دُنیا کو جنگ کی تباہی میں دھکیل دیتا ہے میرے اتنے ہتھیار بکیں گے فلاں جگہ سے مجھے اتنا پیسہ مل جائے گا۔ فلاں یہ ہوگا جمع تفریق میں کروڑوں انسانوں کو غارت کر دیتا ہے۔

فرمایا یہ صرف نورِ انسان ہے جو انسان کو بھی نورِ ایمان ہے جو انسان کو وسعتِ نظر دیتا ہے اور نبی علیہ السلام سے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے کہ یہی تنگ ظرف انسان اتنا وسیع النظر ہو جاتا ہے کہ محض اللہ کے لیے دو عالم سے ہاتھ اُٹھا لیتا ہے وُہ کہتا ہے مجھے دونوں جہاں نہیں چاہئیں مجھے محض اللہ کا قرب چاہیے۔ یہ جرأتِ رندانہ نصیب ہوتی ہے نورِ ایمان سے برکاتِ نبوّت سے اور کسی انسان کے پاس رہ کر اس کا کوئی ذرہ ملے تو وُہ ولی اللہ ہے وُہ ولی اللہ نہیں جو ہمیں اُلٹا مزید دُنیا میں پھنسا دے اور ہماری طلب کو مزید دُنیا میں غرق کر دے اور ہم مزید اُس میں اُلجھ جائیں۔ مجھے کیا ملتا ہے مجھے کیا دینوی نفع ملتا ہے کیا ہوتا ہے نہیں بلکہ مرد وُہ ہے جو ہمیں وسعتِ نظر دے وسعتِ ظرف دے ہم دو عالم چھوڑ سکیں لیکن اللہ کی بارگاہ نہ چھوڑ سکیں۔

مومن اور کافر میں اطاعت گزار اور نافرمان میں یہی فاصلہ ہے اور یہی معیار ہے کمالاتِ نبوّت اور رسالت کا بھی اور اولیاء اللہ اور علمائے حق کیونکہ خادم ہوتے ہیں اُس بارگاہ کے نقیب اور چوکیدار ہوتے ہیں تو اُن کے ہاتھ سے بھی برکات اُس بارگاہ کی بٹتی ہیں اُن کا ذاتی کچھ نہیں ہوتا ہر ولی کی کرامت اس نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوتا ہے جس کی اطاعت سے اُس کے ہاتھ پر وُہ کرامت صادر ہوتی ہے کرامت ولی کی ذات کی نہیں ہوتی اس لیے اس کے ہاتھ سے صادر ہوئی کہ وُہ اُس نبی علیہ السلام کا کامل اطاعت کرنے والا رہا تو یہ نبی علیہ السلام کا معجزہ ہُوا کہ جو اس کی اطاعت کرتا ہے اُس کے ہاتھ پہ بھی کرامت صادر ہوتی ہے تو نبی کی کرامت دراصل نبی علیہ السلام کا معجزہ ہوتی ہے اور اس سے بڑی کرامت کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا کہ تنگ ظرف انسان کو وُہ ظرف عطا ہو جائے جو اللہ کے لیے دو عالم سے ہاتھ اُٹھا لے اس کے علاوہ کسی کرامت کا کوئی تصوّر نہیں۔ سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ دُنیا کے مقابلے میں دین اور ذاتی مفادات کے مقابلے میں اللہ کی رضا عزیز ہو جائے۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

meditations i.e. Ahadiyyat, Malyyat and Aqrabiyyat and make 'dua'. Those who want to revise their advanced lessons, they can do that by themselves.

The fifth point is that the person conducting zikr should concentrate on zikr only. He should not speak during zikr, except to change the 'latifa'. If he starts speaking, as some people do at times, it would divert his own attention as well that of others. Only that person may speak during 'latifa' whose normal conversation also radiates spiritual bliss. But that is extremely rare and even all shaikhs of the orders do not possess this strength. Hadhrat Ji (Rahmat Allah Alaihi) instructed the Sahib-i-Majaz to change their own 'latifa' before changing the 'latifa' of others. For example, if you are conducting zikr on the second 'latifa' and want to go to the third, you should first change your own 'latifa'. After a few moments of zikr, when your third 'latifa' starts receiving Divine lights you should instruct others to change their 'latifa'. The flow of Divine Lights will not be interrupted and they would also start receiving the lights being reflected by your 'latifa'. But if you speak durinhg zikr, it would distract them as if they have started the first 'latifa' now. They would have to restart from the beginning.

The sixth point is that we don't have to contest others nor we have to impose ourselves on them. Anyone who recites the 'Kalimah', is a Muslim by Allah grace. May Allah favour all Muslims and guide them. If we engage ourselves in zikr, we are actually working extra. We are putting in greater effort for our own sake. The person who earns more by working twenty four hour in a factory, has no right to criticize those who work only eight hours. Everyone earns for himself. Similarly, if we are working slightly extra, we have absolutely no right to criticize or deride others. Nor should we try to forcibly convince them. If we are suncere to religion and work for the good pleasure of Allah, then we should understand that any Muslim who is serving the religion in any way, is actually doing our job. He is assisting us in our mission. We must give him our love. Islam is not the religion of hate but of love.

Once, some disbelievers visited the Holy Prophet (SAW) with the intention to contest and criticize him. He lodged them in his mosque with respect and honour. During the night, one of them eased himself in the mosque. When it was known in the morning, Hadhrat Umar Farooq (Radhi Allah Unho) drew his sword to avenge this act of sacrilege. The Holy Prophet (SAW) restrained him and said, "Oh Umar, he is a desbeliever. He is not obliged to respect the mosque. We cannot punish him because he is our guest. Just throw the polluted soil out of the mosque". This kindness inspired the disbeliever to accept Islam. It retrieved him from the abyss of disbelief and elevated him to the status of Companionship. He thought within himself, 'the Holy Prophet (SAW) has so much of regard for me even when I donot believe him. How much more will he love me when I start believing him. A person of sech excellent qualities cannot deceive me. He cannot tell lies'.

How can you deprive the friends.

You that are so kind to the enemies.

accommodation and tolerance. If a husband commits a mistake, the wife still remains responsible to look after his comfort and protect his honour. But if she also ignores her duty, then she is no better than heim. He should repent and correct himself, otherwise he would be answerable to Allah. Similarly, when the wife commits any mistake, the husband should counsel and advise her politely and try toi reform her.

Our problem is that we teach our women every thing much less religion. That is a grave mistake. Allah's zikr should grant us the realization to lookafter the rights of our parents, children, wife, husband, brothers, sisters and other relatives. The basic aim of doing Allah's zikr is to acquire the strength to follow the Shariah. These rights have been defined by the shariah. If we do not follow conversation is not allowed. She should not be alone during the dialogue but be accompanied by a senior lady. If she does not want to share her secrets with anyone, she can safely write to me directly. Here, I have asked sister Kaukab to introduce and explain the zikr to the females and conduct their zikr sessions. If they need to know something, she can ask her husband or tell them to write to me. There should be a proper organisation for women. They can meet separately and perform Allah's zikr. If they join the central zikr sessions or if a Sahib-I-Majaz conducts their zikr, they should sit separately behind a screen, where they can hear the call to change the 'lataif'. After zikr and 'dua' they should leave separately. By Allah's grace, this blessed order is growing and there is a greater need to take these precautions. Otherwise, there would be many problems and the people would be religiously harmed instead of being benefitted.

The fourth point is that the Sahib-i-Majaz can conduct others upto the spiritual stages of Fina-o-Baqa. They cannot take anybody beyond these stages nor can they present anyone for the spiritual baiyat. If anybody else conducts zikr, he should complete the 'lataif' followed by the first the Shariah, then what is the effect of Allah's zikr ? Likewise, the females shouls also safeguard the rights of near relatives, enjoined by the religion.

The third point relates to the position of the Shaikh. One can discuss one's personal and private affairs with the Shaikh. It is obligatory for the Shaikh to keep his secret, and for the sake of Allah, give him the sincere and correct advice in accordance with the Shariah. Shaikh is the greatest custodian of secrets. He should not disclose anything except small every day matters. Those persons, especially women, who hear any such thing from the Shaikh must keep it to themselves.

I had already stated that it is not my sole prerogative to appoint Sahib-i-Majaz. In every organisation, certain people are selected to control and guide others. Allah may grant the leadership qualities to anyone He likes. It is such people who are appointed Sahib-I-Majaz. Females cannot be given this appointment. I had asked Mrs. Siddiq to conduct the women's zikr sessions in Abu Dhabi. If any woman wants to ask something from Mr. Aftab or the Sahib-I-Majaz or their Amir, she should either write to them or speak to them from behind a curtain. Direct and intimate three

families. They were planning to sell their houses to buy a whole locality where they could collectively pray in a mosque. Previously, they had been offering their prayers in one of the houses, but it was not spacious enough to accommodate the increasing number of followers. It is indeed a very great favour of Allah that he has raised such pious people in a society where there is hardly any concept of piety, modesty, or even religion. They spend their time and money and come here during our annual congregation to learn Allah's zikr. The effort is designed to facilitate total adherence to the Shariah and acquire greater capacity to work harder for this cause.

Now that many women have also joined us in Allah's zikr and their number is gradually increasing, there is a greater need to define relevant procedures and ettiquettes. It is a delicate subject which has been emphasised by all civilized nations in one form or the other but Islam has assigned it a special significance. Islam has assigned the women a high status of respect and sanctity. It has also defined their obligatory work parameters which cannot be crossed even under the pretext of worship or zikr. I had explained these rules and procedures in Abu Dhabi also. Certain members of the order have been appointed* as Sahib-i-Majaz (those permitted by the Shaikh to conduct zikr and usher others unto the stages of the Path) at every place but they should conduct the zikr of men. Zikr session for women should be arranged separately. The instructions of Shariah regarding purdah should be observed. Women should sit behind the curtain where they can only hear the voice. They may hear directly or through the PA system. Hearing a male's voice for religious education is permitted for them. During the time of the Holy Prophet (SAW), women used to pray behind the men in the Prophet's Mosque and also listened to religious sermons. Even today, separate arrangements are made for them to pray in the mosque behind the ranks of men or in a screened compartment at one side of the mosque. They keep hearing the voice through the loud speaker. They can join when the prayer begins and leave soon after its completion.

Religious worship like prayers, fasting, etc. is as obligatory for women as for men. They must also perform Allah's zikr. "....and those men who perform Allah's zikr and those women who perform Allah's zikr. He has prepared for them forgiveness and an immense reward." (33:35)

The second point which I want to emphasise is that we perform Allah's zikr only for His Good Pleasure. We do not gather appreciate or criticize others or discuss our family problems. This principle is equally applicable both to the men and women. Allah has described the husband and wife as each other's clothes. The dress protects against the weather effects, covers modesty and adorns the body. Similarly a husband is a sourcr of protection, grace and honour for his wife. If does not befit him to narrate the follies of her wife infront of others. Otherwise he does not remain her dress because he is not covering her any more. Similarly, no wife should discuss her matrimonial and domestic affairs with other women. Otherwise she, too, would not be a good dress for her husband. Those who perform Allah's zikr should possess greater

recognition for their striving in His way. It implies that anyone who strives in Allah's cause is sure to be subjected to public derision. The Holy Prophet (SAW) has advised, "Perform Allah's zikr till people start calling you mad."

In many opinion, both concepts, of using Allah's zikr to solve wordly problems or to win public praise are fundamentally wrong. This path is really very difficult. That is why most people donot venture to adopt it. Allah has Himself said that only a few of His slaves are thankful - those who have the courage to walk this way. If you count those who endure hardships in Allah's way amongst the entire mankind, their number will be negligible. Religion receives the least priority in life. If someone has to leave only one thing in life, he would without hesitation leave Allah and religion. He would be prepared to abandon Allah's worship on the smallest pretext. If he contracts common cold, he would not stop eating, drinking or working, but he would immediately and definitely stop praying. This is the greatest human weakness. Allah appriciates those slaves who do not abandon Islam even at the cost of their lives. It, however, requires supreme resolve to go that far.

I do not wish to prolong this discourse. The real object of all this effort and endeavour is to develop an inner strength which makes Allah's obedience easy and enables a person to leave the prohibited things and adopt the permitted. All zikr, meditations, verbal incantations and physical efforts are meant to produce the resolve to follow the shariah. The religion should become a pleasant responsibility rather than an awesome burden. Once we like somthing we enjoy all activity about it. When we buy a car, we tend to ignore the better points of other cars and always prefer our choice. It may be more expensive and may require greater maintenace but we purchase it simply because we like it. We undergo an apparent financial loss, but we enjoy the deal. Similarly, we would buy a house of our choice at a higher price, well knowing that living in that house, will not in any way, increase our age. Allah has allowed us to spend our money to byt our choice. We need to develop similar love for the religion which propel us to happily spend for its cause, devote time and undergo hardships. We should be willing to preserve religion at the cost of wordly loss. The Holy Prophet (SAW) said that the religious obligations and wordly requirements cannot both be satisfied simultaneously. If a person decides to fully attend to his worldly affairs, he would definitely have to forego some religious obligations and if he decides to give priority to the religion, he would have to sacrifice some of his wordly requirements. The sole aim of our effort is to develop the realization to accord perference to the religion.

Allah has blessed innumerable women beside men. They perform zikr not only in muslim countries but even in Europe and Scandanavian countries which are the nurseries of vice and evils of modern civilization. They perform Allah's zikr and follow the religion completely. This is a great Divine favour. They write to me from Nothern Norway, where the day and night each spans six months, and enquire about religious orders pertaining to their peculiar climatic environments. Recently they wrote that they had grown to sixteen

PARAMETERS OF THE ORDER

It is a great favour of the Almighty Allah, not because I claim that, but that history bears witness. The manner in which this exalted Order has distributed the Prophetic blessings was precedented only once in the early period of Islam. It has no other parallel in Islamic history. Every one who attended the august company of the Holy Prophet (Sall Allaho alihi wa sallam) acquired the status of a Companion and his heart was instantly illuminated. There was no discrimination of social status, knowledge, age or sex to acquire this blessing. Similarly, those who came to the companions, were called Tabaeen and those who visited the Tabaeen were known as Taba Tabaeen. The religious knowledge was then compiled and classified into various branches and people dedicated their lives to learn and teach them. Inner blessings were similarly preserved in the bosoms and handed down through the generations as spiritual heritage. With the passage of time, the intensity of these blessings diminished. Islamic history is replete with the names of those renowned servants of the faith who sacrificed every thing and endeavoured resolutely to acquire these blessings. They certainly out number the stars in the sky. But it had been their regular pattern that they instructed the majority of their disciples in external reformation only and transferred these inner blessing to a selected few. This was not by their intent or purpose but by a Divine arrangement. The Divine Wisdom provides for at item at a place where it is most needed at that time. Probably this blessing is once again required by humanity after fourteen hundred years. The ritual religion is being propagated with great zeal and effort in the present times. Modern facilities have significantly reduced the distance and time and have facilitated the use of new methods and techniques.

There are many magazines which print religious material only. Even other magazines contain several articles on religion. Each village, town and city has innumerable mosques which resound with religious lectures especially on Fridays. Then there are many devout muslims who leave their jobs and wordly comforts and actively preach religion throughout their lives. But the results are, somehow, not commensurate with the magnitude of the effort. Probably the human capacity for acceptance of truth and self reformation has reduced with the time. Either our hearts have rusted or require stronger medication. The Gracious Lord has, for that reason, once again arranged a free and generous distribution of this medicine of inner blessings through this Exalted Order. It is indeed a great Divine favour that every one who joins this Order certainly receives his blessed share.

However, it is a common notion that, as a natural result of our worship, zikr and good deeds, we should never come across any problems. We should neither fall sick, nor face adversity, nor encounter any difficulty in practical life. It is a gross misconception. On the other hand, Allah praises those of His slaves who sacrifice many things to attain His Pleasure. They endure hardship in His way and overcome many desires for His cause. There is yet another misconception which needs to be rectified. People want others to praise them for performing Allah's zikr. But Allah has praised those of His slaves who do not care for wordly

اسرار التنزیل

	غیر مجلد	مجلد آرٹ پیپر
جلد اوّل	-/۱۰۰	-/۱۹۰
جلد دوم	-/۸۰	-/۱۳۰
جلد سوم	-/۷۰	-/۱۳۰
جلد چہارم	-/۸۰	-/۱۳۰

منی آرڈر یا ڈرافٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں

اویسیہ کتب خانہ۔ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ۔ لاہور

اجتماع لنگر مخدوم

۱۳- اکتوبر ۱۹۹۱ء

بروز

جمعرات شروع ہوگا

سرگودھا بس سٹینڈ سے لنگر مخدوم سپیشل بسوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ ساتھیوں کی سہولت کیلئے بس سٹینڈ پر ہی شامیانے اور کھانے کا انتظام موجود ہوگا۔ آخری بس ۷ بجے چلے گی لیکن آخری بس کے آسرے دیر سے مت آیئے کیوں کہ آخری بس، بس سٹینڈ پر انتظام کرنے والے ساتھیوں کیلئے ہوگی۔ جلدی آئیں اور عصر سے پہلے پہلے لنگر مخدوم پہنچ جائیں

طالب والا پل بھی کار اور وین کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255